جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ



مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

جون ۲۰۲۵	جلد نمبر ۲۲	شمارہ ۱۰	سلسلہ نمبر ۱۹۶

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر

مولانا سید فضیل احمد ناصری

08881347125

نگراں ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی

09997504588

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:

فی شمارہ -/30 سالانہ -/360

خصوصی -/1000

تاحیات -/6000

بیرونِ ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر

خصوصی: 100 امریکی ڈالر

تاحیات: 500 امریکی ڈالر

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484 ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

پچھلے ماہ یعنی مئی 2025 کو ہندوستان اور پاکستان نے ایک خوفناک جنگ لڑی۔ یہ جنگ حالانکہ ساڑھے تین دن سے زیادہ نہیں چلی، مگر عالمی سطح پر خوب چرچے میں رہی۔ ایئر اسٹرائک، ڈرون حملے، فضائی جھڑپیں، میزائل کی تباہ کاریاں دونوں طرف کے عوام نے دیکھیں۔ خوف و دہشت کا عجیب عالم۔ ایک مہیب سناٹا۔ راستے سنسان ہوئے جا رہے تھے۔ عوام کے چہروں پر ہوائیاں ہی ہوائیاں۔ زندگی سے دوری اور موت سے قرب ہر شخص کا احساس۔ لوگ پریشان تھے کہ کیا ہوگا، لیکن اچانک امن کی نوید کانوں سے ٹکرانے لگی۔ امریکہ کی بروقت مداخلت نے جنگ بندی کرا دی اور خدا خدا کر کے دونوں پڑوسیوں نے راحت کی سانس لی۔

جنگ خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، تباہیوں سے خالی نہیں۔ کم یا زیادہ، نقصان تو ہو کر رہتا ہے۔ جانی بھی اور مالی بھی۔ مقام شکر ہے کہ جنگ بند ہو ہی گئی۔ اگر چہ اس کے بعد بھی ایک دوسرے پر الزام تراشیاں رہیں۔ دونوں ممالک دعوے کرتے رہے کہ فریق مخالف سیز فائر کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ پھر یہ سلسلہ بھی موقوف ہوا، تاہم 88 / گھنٹے چلنے والی اس جنگ پر باتوں اور تبصروں کا سلسلہ جاری ہے۔ دونوں طرف کے سیاست داں اسے موضوع بحث بنائے ہوئے ہیں۔ سات اور آٹھ مئی کی درمیانی شب کو ہندوستان نے حملے کا آغاز کیا اور 10 مئی کی رات میں جنگ بندی کا اعلان۔ جنگوں کا یہ سلسلہ 22 / اپریل کو پیش آمدہ پہلگام کے اس سانحے کی وجہ سے شروع ہوا، جس میں 26 سیاحوں کو اچانک موت کی نیند سلا دیا گیا تھا۔ جنگ اگر چہ بند ہو چکی ہے، مگر تلخیاں ہنوز شباب پر۔ ہندوستان نے سندھ طاس معاہدے کو معطل کر رکھا ہے اور پاکستان اس معطلی سے سخت ترین چراغ پا۔ یہ رسہ کشی، یہ کشاکش، یہ بدمزگی کب تک چلے گی!! جنگوں سے کبھی بھی بھلا نہیں ہوا۔ ایک دوسرے سے دوستانہ مراسم ہی ریاستوں کے مفاد میں ہیں۔

❀ .... ❀ .... ❀

ویل للعرب من شر قد اقترب۔ پیغمبر صادق علیہ الصلاۃ والتسلیم نے جب یہ جملہ ارشاد فرمایا ہوگا تو صحابہ کو محو حیرت ہوئے ہوں گے کہ ہلاکتوں کا شکار عرب بھی ہوگا!! وہ منحوس دور صحابہ نے تو نہیں دیکھا، مگر ہماری خطا کار آنکھوں نے دیکھ لیا۔ امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ اپنی صدارت کی دوسری معیاد میں پہلا غیر ملکی سفر کرتے ہوئے 15/ مئی کو مشرق وسطی پہونچے۔ اس کا آغاز سعودی عرب سے کیا، پھر قطر میں قدم زن ہوئے۔ اخیر میں متحدہ عرب امارات۔ تینوں جگہ زبردست استقبال۔ سعودی عرب نے خیر مقدم کرتے ہوئے جامنی قالین بچھا دیا، جو ٹرمپ کی ٹائی سے مشابہت رکھتا تھا۔ عربی گھوڑے آگے آگے دوڑتے رہے۔ 42 ارب ڈالر کا تحفہ بھی معاہدہ کے نام پر۔ شاہی محل میں شاہی گھرانے کی خواتین نے بے پردہ مصافحے بھی کیے۔ ٹرمپ بڑے خوش نظر آئے اور شہزادہ بن سلمان کی تعریف میں پیہم رطب اللسان۔ قطر نے استقبال میں عربی گھوڑوں کے ساتھ اونٹ بھی شامل کر لیے۔ قطر نے اپنے ملک میں موجود امریکی فوجی اڈے کی سرمایہ کاری کے لیے دس ارب ڈالر بھی دیے۔ کھربوں کی مالیت کا لگژری طیارہ بھی تحفے میں دیا گیا۔ اس سے بھی بڑا استقبال متحدہ عرب امارات میں ہوا۔ رائٹرز کے مطابق امریکہ اور یو اے ای کے درمیان ایک ابتدائی معاہدہ طے پایا، جس کے تحت یو اے ای ہر سال نویڈیا کی پانچ لاکھ جدید ترین اے آئی چپس درآمد کرے گا، جو اس سال سے شروع ہوگا۔ اربوں ڈالر کا عطیہ معاہدے کے نام پر تو امارات نے دیا ہی، شرم و حیا کا جنازہ بھی اس نے نکال دیا۔ شیخ زائد مسجد میں انہیں لے جایا گیا تو وہاں نماز اور اذان پر موقوف کر دی گئی۔ عظیم الشان مسجد اذان اور نمازیوں کو ترس گئی۔ اس دن یہ مسجد عوام کے لیے مکمل طور پر بند۔ ٹرمپ نے کہا کہ یہ میرا نہیں، امریکہ کا اعزاز ہے۔ اس سے بھی زیادہ شرمناک یہ کہ ٹرمپ کا استقبال نوخیز دوشیزاؤں سے کرایا گیا۔ یہ کمسن لڑکیاں دو رویہ کھڑی ہو کر اپنی زلفیں لہرا رہی تھیں اور ٹرمپ ان کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ یہ ایک قسم کا رقص تھا، جسے عیالہ کہا جاتا ہے۔ شرم و حیا کو دفن کر دیا گیا۔ یہ مما لک خود کو اسلامی کہتے ہیں اور ان کا عالم یہ ہے کہ اسلام سے دور دور کا بھی انہیں واسطہ نہیں۔ عیش و عشرت اور دنیا پرستی ان کی رگ و پے میں ہے اور کفر سے ان کی یاریاں مسلسل عروج پر۔ اس پر استرجاع کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے!

❀ .... ❀ .... ❀

عین اس دوران کہ جب ہندوستان کے وفود اپنے وطن کی شبیہ بے غبار بتانے کے لیے عرب کی سرزمین پر حکمرانوں سے مل رہے تھے، 25 مئی 2025 کو موب لنچنگ کے واقعے نے ملک کے دامن پر

ایک اور داغ لگا دیا۔ چار نوجوان التبارک میٹ فیکٹری سے گوشت لے کر جا رہے تھے کہ گئو رکشکوں نے ان پر حملہ کر دیا، جب کہ ان کے پاس اس گوشت کی رسید بھی تھی۔ علی گڑھ کے الہداد اسٹیڈیم کے پاس یہ سانحہ پیش آیا۔ چار نوجوانوں کو گئو رکشکوں نے اس بے دردی سے مارا کہ پورا چہرہ اور جسم لہولہان ہو گیا۔ پولیس اگر ذرا سی تاخیر کر جاتی تو ان نوجوانوں کی جان بھی جا سکتی تھی۔ تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ یہ نوجوان گوشت کے تاجر تھے اور ان کے پاس اس تجارت کا لائسنس بھی موجود تھا۔ خبر ہے کہ 13 / ملزمین کے نام ایف آئی آر درج کی گئی ہے۔ ان میں سے تین گرفتار بھی ہو چکے ہیں۔ موب لنچنگ نامی یہ بلا آج سے نہیں، پچھلے کئی سالوں سے دہشت کی علامت بنی ہوئی ہے۔ سفر دشوار ہو گیا۔ قریب تک جانا بھی دوبھر ہو گیا۔ گویا وہی عالم، جس کی ترجمانی دہلی کے استاد شاعر اسد اللہ خان نے کی تھی:

گھر سے بازار کو نکلتے ہوئے * زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے * گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرۂ خاک * تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک * آدمی واں نہ جا سکے یاں کا

سوشل میڈیا سے لے کر نیشنل اور انٹرنیشنل میڈیا تک ہجومی تشدد کے واقعات کی رپورٹنگ ہو چکی ہے۔ ملکی اور عالمی سطح پر ہندوستان کا نام اس سے مزید خراب ہوا، لیکن یہ بدنام زمانہ سلسلہ ہنوز مائل بہ ترقی ہے۔ انارکی اور طوائف الملوکی مسلسل بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے۔ ماورائے عدالت قتل اور سزا کے اس نئے طوفان نے ملک کو دہشت اور نفرت کے لامتناہی جہنم میں دھکیل دیا۔ صد حیف کہ یہ سب کچھ چل رہا ہے۔ یہ رسوا کن کارروائی روز افزوں ہے، لیکن اس پر قدغن لگانے کی کوئی موثر تدبیر سامنے نہیں آئی۔ مرکزی سیاستدانوں سے لے کر علاقائی سیاستدانوں تک، بڑے محکموں سے لے کر چھوٹی ایجنسیوں تک اس موضوع پر یک گونہ خاموشی ہے۔ اگر ان بدقماشوں کے خلاف سخت کارروائی ہوتی۔ ان کی دارو گیر کی جاتی۔ ان کے لیے حوصلہ شکن قانون بنایا جاتا تو نفرت و تشدد کی اس آگ کا بجھنا طے تھا۔ دہشت گردی کے اس عفریت کو اگر قابو میں نہیں کیا گیا تو یہ ملکی سالمیت کے لیے پیغام موت ثابت ہوگا۔

……✦……

قسط (۲)

حصول علم کے آداب

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہٗ

جامعہ فاروقیہ کراچی میں دہائیوں قبل فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کو ایک تقریب کے لئے مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر شاہ صاحبؒ نے حسبِ عادت یہ گراں قدر تقریر فرمائی جو اپنی علمیت اور معلومات سے بھرپور ہونے کی وجہ سے بے حد پسند کی گئی۔ یہ نایاب تقریر کیسٹ سے سن کر قلم بند کی گئی، جو پہلی بار آپ کی ضیافت کے لئے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

آداب حصول علم میں سے پہلا ادب: تصحیح نیت

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کی بالکل ابتداء میں جو عنوان قائم کیا اور جو حدیث لائے اور کوئی مطابقت نہیں مل رہی، اور شارحین بڑے پریشان ہیں کہ یہ کیا ہوگیا؟ یہ کیا ہو گیا؟ عنوان قائم کر دیا: "کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟" اور حدیث لے آئے: "انما الاعمال بالنیات"

لیکن امام بخاری نے ایک بہت بڑی حقیقت کا سراغ دیا ہے، تمام امور میں، تمام کاموں کے اندر نیت وحسن نیت اور اخلاص فی العمل مؤثر ہے، نیت ایسی چیز ہے کہ اس کا اثر جانوروں پر بھی پڑتا ہے، محی الدین ابن عربی الملقب بشیخ اکبر، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سبق میں فرماتے تھے کہ "علوم اسرار وحکم" کو میں سب سے زیادہ جانتا ہوں، اسرار وحکم سمجھانے کی ضرورت نہیں، آپ سب کے سب علما ہیں، اسرار وحکم کو خوب جانیں گے، چناں چہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: علم اسرار وحکم کو سب سے زیادہ جانتا ہوں، بجز شیخ اکبر کے کہ شیخ اکبر مجھ پر اس فن میں فائق ہیں۔

شیخ اکبر نے ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے کہ ہم حج کے لیے نکلے، احرام باندھ لیا، بیٹھے ہوئے تھے، عرب کا مشہور شکار گورخر ہمارے خیمے میں گھس آیا اور ہمارے ساتھ لگ لگ کے گزرا، اب سب

حالت احرام کے اندر، اچھی خاصی پریشانی، بعض ساتھیوں نے بعض ساتھیوں کو آنکھ سے اشارے دیے، یہ دیکھو! کیا مزہ آرہا ہے اور بعض کو یہ بھی خیال ہوا بھائی! چلو شکار کرلو، یہ تو گھر میں خود ہی آگیا، اردو کا مشہور مقولہ ہے:

کہ گھر آئے سانپ نہ پوجے تبھی پوجن جائے

کہ سانپ کو اس کے سوراخ میں تو پوجنے کے لیے جاتے ہیں اور گھر میں اگر آجائے تو کوئی نہیں پوجتا، یہ تو گھر ہی میں آگیا، تو ایک دم گورخر نے زور سے جست لگائی اور یہ جا وہ جا، تو وہ دوست کہنے لگے، کہ بھائی! عجیب وغریب معاملہ ہے، یہ اندر آگیا تھا اور بغیر کسی وجہ کے نکل کے بھاگا اور اس طریقے پر بھاگا، شیخ اکبر نے کہا کہ میں وجہ بتاؤں؟ کہا بتاؤ، فرمایا کہ جب تک تمہارے دل صاف تھے، تمہاری نیتوں میں فتور نہیں پیدا ہوا تھا، نیتوں میں فساد پیدا نہیں ہوا تھا، جانور تمہارے سے بے خبر ہو گیا تھا اور جیسے ہی تمہاری نیتوں کے اندر فتور آیا، جانور پر تمہارے فساد نیت کا اثر پڑا اور وہ بھاگ پڑا۔

معلوم ہوا کہ نیت ایسی چیز ہے کہ جانوروں تک پر اثر انداز ہے اب بھائی! آپ علم جیسی دولت عظیم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، پہلے اپنی نیتیں درست فرمالیجیے۔

علامہ کشمیری علیہ الرحمہ نے ایک مرتبہ سال کے آخر میں طلبہ کے سامنے وداعی تقریر فرمائی کہ ایک طالب علم آتا ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میں پڑھوں گا اور پڑھ کر اپنی تمام توانائیاں، اپنا علم، اپنا کمال، اپنا فہم، اپنی جدوجہد دین کے لیے صرف کروں گا، فرمایا کہ عظیم ترین نیت ہے، اس سے بڑھ کر افضل نیت اور کوئی نہیں ہوسکتی، ایک اور طالب علم آتا ہے، اس کی نیت علم سے خدمت دین تو نہیں، مگر پڑھنے کے لئے پڑھ رہا ہے، جیسے آپ نے سنا ہوگا، صحافت کے اندر جدید اصطلاح چل پڑی، ادب برائے ادب، اسی طریقے پر علم برائے علم، مقصود اس کا فقط حصول علم ہے، اپنے علم سے دین کی خدمت نہیں کرنا چاہتا، فرمایا کہ یہ اتنی افضل تو نہیں، جتنی پہلی بات افضل تھی، تاہم یہ بھی قابل برداشت ہے۔ فرمایا کہ ایک تیسرا طالب علم آتا ہے، اس کی نیت یہ کہ پڑھوں گا، اقتدار حاصل کروں گا، بڑی زبردست ملازمت حاصل کروں گا، اعزاز حاصل کروں گا، امتیاز حاصل کروں گا، تمام مقاصد جو اس کے ذہن میں ہیں، دماغ میں ہیں، وہ سب کے سب حصول دنیا میں الجھے ہوئے ہیں، دین کی طرف ادنی بھی توجہ نہیں، فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بازار سے کوئی بڑا رومال لائے اور جب اس سے پوچھیں کہ بھائی یہ رومال کیوں لائے ہو؟ تو کہے کہ جوتے صاف کرنے کے لیے کہ علم جیسی عظیم الشان دولت حاصل کی، لیکن مقصد یہ ہے کہ دنیا حاصل کروں گا۔

حصول علم میں محنت کرنا

آداب، تعلیم، تدریس، متعلم کے آداب، معلم کے آداب، کتاب کے آداب درس گاہ کے آداب، سب امام بخاری نے بیان کر دیے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے معاملے کو انہوں نے اتنا عظیم الشان سمجھا کہ وحی اور ایمان کے بعد متصلاً انہوں نے "کتاب العلم" شروع کی، نیت کی درستگی کے بعد اب سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ آپ حقیقی معنی میں پڑھ رہے ہوں، رسماً نہ پڑھ رہے ہوں۔

حضرت اقدس حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چھتے کی مسجد میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، سردی کا زمانہ تھا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جولباس کے اوپر (کوٹ) پہن رکھا تھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ وہ کوٹ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور سر کے اوپر ٹوپا پہن رکھا تھا، وہ ٹوپا بھی پھٹا ہوا تھا، اور جس رضائی لحاف کو لیے ہوئے تھے، اس کے بھی بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لیتے ہو رہے تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں بیٹھ گیا، اس زمانے میں میں، ہدایہ پڑھتا تھا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ کیا پڑھ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ہدایہ پڑھ رہا ہوں، فرمایا کہ پڑھ رہے ہو یا بُن رہے ہو؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت میں پڑھنے اور بُننے میں فرق نہیں جانتا کہ کیا فرق ہے پڑھنے اور بُننے میں؟! حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دو طالب علم تھے: ایک نے ہدایہ کو نوک پر ذبح کر لیا، دوسرے نے ہدایہ کو سمجھ کر پڑھا، اگر چہ ہدایہ کی عبارت اسے قطعاً بھی محفوظ نہیں تھی، ایک مرتبہ دونوں میں بحث ہوگئی، جس نے ہدایہ کو سمجھا تھا، اس نے ایک دم کہا کہ یہ مسئلہ ہدایہ میں ہے، وہ جو دوسرا ہدایہ کا حافظ تھا، وہ بولا، غلط کہتے ہو، غلط کہتے ہو، یہ مسئلہ ہدایہ میں ہے ہی نہیں، قطعا بھی نہیں اور اگر ہے تو مجھے دکھاؤ، اس نے ایک ہدایہ کی عبارت پڑھی اور یوں کہا کہ یہ مسئلہ اس عبارت سے نکل رہا ہے، اب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ طالب علم ہدایہ پڑھ رہا تھا اور یہ طالب علم ہدایہ بُن رہا تھا، فرمایا کہ پڑھنا مت، بلکہ بُننا اور یہ بُننا کس طریقے پر ہو گا؟ بھائی! اس کے لیے کچھ شرائط ہیں، کچھ آداب ہیں۔

کتاب کا ادب

پہلی بات تو یہ ہے کہ کتاب کا اکرام کرو، میری والدہ ماجدہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے والد مرحوم

سردیاں ہورہی ہیں اور ہماری طرف جاڑا، کڑاکے کا جاڑا، قیامت کا جاڑا، لیکن ایسے جاڑے میں بھی وضو کے بغیر رات میں بھی کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے، کانپور میں ایک مرتبہ ختم بخاری کی تقریب میں شرکت کی اور طلبہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ بالغ ہونے کے بعد میں نے دین کی کسی کتاب کو وضو کے بغیر نہیں چھوا۔

فرمایا کہ مطالعہ کے دوران کتاب کو میں نے اپنے تابع نہیں کیا، بلکہ کتاب کا تابع ہوکر مطالعہ کیا، فرمایا کہ اگر یوں کتاب کو دیکھ رہا ہوں، اور حاشیہ اس طریقے پر ہے تو میں نے کتاب کو اپنی جانب نہیں کیا، بلکہ اٹھ کر دوسری جانب گیا اور کتاب کا مطالعہ کیا۔

شمس الائمہ کے حالات میں لکھا ہے کہ کثرتِ بول کی بیماری میں مبتلا تھے اور قیامت کی سردیاں ہوتی تھیں، مگر کتاب کو بغیر وضو کے نہیں چھوتے تھے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے خانقاہ میں ایک طالب علم کو دیکھا کہ جلالین اس کے ہاتھ میں ہے اور اسی ہاتھ میں موزہ، اور موزہ جلالین کے ساتھ لگ رہا ہے، مس کر رہا ہے، بس حضرت غصے سے کانپ اٹھے اور فرمایا: کہ تمہیں علم کیسے آئے گا؟ پاؤں کا موزہ اور تم نے جلالین کے ساتھ لگا رکھا ہے؟! جیسا کہ حضرت کا مزاج تھا، مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا کہ کتابوں کے رکھنے میں بھی ترتیب کیا ہونی چاہیے۔ تو بھائی کتاب کا اکرام کیجئے!

اساتذہ کرام کا احترام

تیسری چیز یہ ہے کہ حضرات اساتذہ کا احترام اور اکرام ہو اور ایسا اکرام، ایسا اکرام، میری والدہ مرحومہ نے بیان کیا کہ رات کو سوتے ہوئے بھی شاہ صاحب سیدنا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کی جانب اپنے پاؤں نہیں کرتے تھے، مجھے یقین نہیں آیا، میں نے کہا یہ ایسے ہی روایت ہے کہ پیر نہیں اڑتے، مرید اڑا دیتے ہیں، یہ بات ایسے ہی گھڑ لی گئی، لیکن حال ہی میں "بدائع الصنائع" مدینے سے چھپ کر آئی ہے اور بدائع الصنائع کو جانتے ہو؟ علامہ کشمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو اس کتاب کا مطالعہ کرلے گا، فقیہ ہو جائے گا۔ کتاب کے مصنف کو فقیہ النفس فرماتے تھے، فقیہ النفس وہ صرف ابن نجیم کے لیے استعمال کرتے تھے اور صاحب البحر الرائق، فقیہ النفس سہیلی کے لیے استعمال کرتے تھے۔

متأخرین میں سے حضرت شاہ عبدالعزیز الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو شامی کے اوپر ترجیح دیتے تھے، شامی کے تفقہ کے اوپر اعتماد نہیں تھا، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ کے اوپر بے حد اعتماد فرماتے تھے۔

تو صاحب بدائع کے متعلق بڑے اونچے الفاظ فرماتے تھے، اس کے دیباچے میں سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات لکھے ہیں، ان حالات میں یہ بھی ہے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ اپنے استاد حماد کے گھر کی جانب سوتے ہوئے پاؤں بھی نہیں کرتے تھے، درانحالیکہ کہ درمیان میں کئی محلے حائل تھے، اب یقین آ گیا کہ اساتذہ کا اس درجہ احترام کرنے والے طلبہ دنیا کے اندر گزرے ہیں، آپ جس قدر اپنے اساتذہ کا احترام کریں گے، میں یقین کے ساتھ آپ کے سامنے عرض کر دوں کہ علم اتنا ہی چمکے گا۔

امام العصر علامہ مولانا انور شاہ صاحبؒ اور استاد کا ادب

حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری نے ایک سوانح والد مرحوم کی لکھی ہے، کمالات انوری کے نام سے، اس میں لکھا ہے کہ میں دیوبند داخل ہونے کے لیے گیا، میرے والد مجھے لے کر پہنچے، دوپہر کو ہم دیوبند پہنچے تھے، سامان رکھ کر ظہر کے بعد ہم سیدنا شیخ الہند کے مکان پر گئے تو واردین وصادرین آ رہے تھے اور حضرت سے ملاقات کر رہے تھے، اس زمانے میں بجلی کے پنکھے نہیں آئے تھے، چھت میں فرشی پنکھے ہوتے تھے اور ان پنکھوں کو بیٹھ کر ڈوری سے کھینچا کرتے تھے، چناں چہ ایک صاحب پنکھا کھینچ رہے تھے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اور آنے والوں سے چپکے سے کہہ رہے تھے، ذرا ہٹ ہٹ کے بیٹھو، کہیں حضرت کو تکلیف نہ ہو جائے، تو والد مرحوم نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ان پنکھا کرنے والوں کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں کہاں سے پہچانوں گا، میں تو دیوبند میں ابھی آپ کے ساتھ آیا ہوں، فرمایا: یہی مولانا انور شاہ صاحب کشمیری ہیں۔

مولانا انوری نے یہ واقعہ نقل کر کے لکھا کہ میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ یہی مولانا انور شاہ صاحب کشمیری ہیں کہ جن کے علم کی شہرت شرق وغرب کے اندر پہنچ چکی، اپنے استاد کو کتنے شغف کے ساتھ پنکھا کر رہے ہیں۔

میرے استاد حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب نوّر اللہ مرقدہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ایک دن فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب جب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آتے تھے اتنا جھک جاتے تھے، اتنا جھک جاتے تھے کہ ہمیں خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں شاہ صاحب زمین پر نہ گر جائیں۔ (جاری)

سیرتِ نبوی (ﷺ) میں قضاء کے چند پہلو

مولانا حمزہ ظفر صاحب، کراچی

اللہ جل شانہٗ نے انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے حضور ہادی عالم ﷺ کو آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات چونکہ قیامت کے لیے ہیں، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ آپ ﷺ کی ذات میں وہ تمام صفات وکمالات جمع ہوں، جن کی نسلِ انسانی کو ضرورت ہے۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ دنیائے عالم پر جو نقوش آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ نے چھوڑے ہیں، تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی تمام کمالات کا مجموعہ اور اور تمام صفاتِ عالیہ کا مظہر ہے۔ آپ ﷺ معلم بھی ہیں، مزکّی بھی ہیں، ہادی بھی ہیں، شارع بھی ہیں، منتظم بھی ہیں، سیاست دان بھی ہیں، جرنیل بھی ہیں، سپہ سالار بھی ہیں، معاشرت بھی آپ نے سکھائی، معیشت سے بھی آپ نے روشناس کرایا، جنگ کرنے کے طریقوں سے بھی آپ نے باخبر کیا، تجارت کے اصول بھی آپ نے بتلائے۔ بچوں کے ساتھ معاملات، بڑوں کے آداب، بیویوں کے درمیان برابری، اور بین الاقوامی تعلقات بھی آپ نے بتلائے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلو ہیں، اور وہ تمام پہلو اپنے اندر اس قدر جامعیت رکھتے ہیں کہ نسلِ انسانی کی مکمل ہدایت کا سامان ہوجائے۔ سیرت کے انہی مختلف پہلوؤں میں سے ایک پہلو آپ ﷺ کا قاضی ہونا بھی ہے۔ ایک کامیاب اور پرامن معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ قوم کا قاضی عادل ہو، جو عدل وانصاف کو یقینی بنائے۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون عادل ہوسکتا ہے؟

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْجِعْرَانَةِ وَهُوَ يَقْسِمُ التِّبْرَ وَالْغَنَائِمَ، وَهُوَ فِيْ حِجْرِ بِلَالٍ رضی اللہ عنہ، فَقَالَ رَجُلٌ: اعْدِلْ يَا مُحَمَّدُ! فَإِنَّكَ لَمْ تَعْدِلْ، فَقَالَ: "وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ بَعْدِيْ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ"، فَقَالَ عُمَرُ: دَعْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! حَتّٰى أَضْرِبَ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ هٰذَا فِيْ أَصْحَابٍ، أَوْ أُصَيْحَابٍ لَهُ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ." (سنن ابن ماجۃ، باب في ذکر الخوارج)

"حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مقامِ جعرانہ میں تشریف فرما تھے، اور آپ

ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گود میں سے سونا، چاندی اور اموالِ غنیمت (لوگوں میں) تقسیم فرما رہے تھے، تو ایک شخص نے کہا: اے محمد! عدل وانصاف کیجیے، آپ نے عدل سے کام نہیں لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا برا ہو، اگر میں عدل وانصاف نہ کروں گا تو میرے بعد کون عدل کرے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے اور بھی ساتھی ہیں جو قرآن کو پڑھتے ہیں، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا ہے، وہ دین سے ایسے ہی نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔''

بلاشبہ آپ ﷺ کا ہر فیصلہ ہمیشہ عدل وانصاف کے لیے اعلیٰ معیار ہے۔

حضور ﷺ کے فیصلے کی اہمیت

اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کو مسلمانوں کے مابین حکم اور فیصلہ کرنے والا بنا کر بھیجا، اور لوگوں کے ایمان کو آپ کے فیصلے پر راضی ہونے سے مشروط کر دیا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ: «فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا». (سورۃ النساء: ۶۵)

''پھر قسم ہے آپ کے رب کی! یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کروائیں، پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔'' (ترجمہ بیان القرآن از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

اور ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: «إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ». (سورۃ النساء: ۱۰۵)

''بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے اور آپ ان خائنوں کی طرف داری کی بات نہ کیجیے۔'' (ترجمہ بیان القرآن از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

نبوت سے قبل آپ ﷺ کے فیصلے

آپ ﷺ کی بعض صفات ایسی ہیں کہ اہلِ عرب' نبوت سے پہلے بھی ان کے معترف رہے، اور نبوت کے اعلان کے بعد بھی ان صفات کا چرچا ان کے درمیان رہا، اور کیا دشمن، کیا دوست سب ہی ان

صفات کے معترف اور قائل رہے۔ ان صفات میں سے ایک صفت درست اور مبنی برحق فیصلہ کرنے کی تھی۔ نہ صرف نبوت کے بعد بلکہ نبوت سے پہلے بھی مشرکینِ مکہ اپنے مختلف جھگڑوں اور تنازعات میں آپ کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ محض بیس سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ امن وآشتی کے پرچار اور ظلم کے خلاف مظلوم کی دادرسی کرنے کے لیے حلف الفضول نامی معاہدے میں شریک ہوئے۔ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کو نبوت ملنے سے قبل جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی، اور حجرِ اسود کو نصب کرنے پر جھگڑا ہوا تو آپ ﷺ کو سب نے حَکم مان کر آپ کے فیصلے پر عمل کیا، ابوطالب نے اس موقع پر آپ ﷺ کی شان میں اشعار پڑھے: (أبوعبداللہ، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ذکر ہدم قریش الکعبۃ، ۱/ ۱۱۷، ط: دار الکتب العلمیۃ)

إِنَّ لَنَا أَوَّلَهُ وَ آخِرَهُ * فِي الْحُكْمِ وَالْعَدْلِ الَّذِيْ لَا نُنْكِرُهُ

ترجمہ: ''وہی ہمارے لیے اول ہیں، اور وہی ہمارے لیے آخر ہیں، اور فیصلے میں اور عدالت میں ہم ان کا انکار نہیں کرتے۔''

رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کرنے کا طریقہ

آپ ﷺ فریقین کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے، اور ان کے درمیان ایسا فیصلہ فرماتے تھے کہ جس سے صاحبِ حق کو اس کا حق مل جائے۔ اکثر اوقات آپ ﷺ فریقین میں صلح کروا دیا کرتے تھے، اور انہیں دوسرے کا حق دبانے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وعید سناتے تھے۔ ذیل میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کرنے کے مختلف طریقے ذکر کیے جاتے ہیں:

صلح کروانا

آپ ﷺ کی اکثر وبیشتر یہی کوشش ہوتی تھی کہ فریقین کے مابین صلح ہوجائے، اور خوش اسلوبی کے ساتھ معاملہ نمٹ جائے، اور اگر مصلحت دیکھتے تو ایک فریق کے حصہ میں سے کچھ کمی بھی کر دیتے، تاکہ معاملہ سلجھ جائے، چنانچہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ان کا کچھ قرض ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ پر تھا، اور انہوں نے مسجدِ نبوی میں ان سے قرض وصول کرنے کا تقاضا کیا، اس دوران کچھ آواز بلند ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرۂ مبارکہ کا پردہ ہٹا کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور کچھ قرض کم کرنے کا کہا، جسے انہوں نے فوراً کم کر دیا۔ اب آپ ﷺ نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو بقایا قرض ادا کرنے کا حکم دیا، یوں دونوں کے مابین نزاع دور ہوا۔ (البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التقاضي والملازمة في المسجد، رقم الحديث: ۴۵۷، ط: دار طوق النجاة)

شرعی حکم کے مطابق فیصلہ

اگر فریقین میں صلح نہ ہوسکتی تو رسول اللہ ﷺ شریعت کے حکم کے عین مطابق ان کے درمیان فیصلہ فرماتے، جیسے: ایک موقع پر ایک انصاری صحابیؓ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانی کے حوالے سے جھگڑا کیا، آپ ﷺ نے پہلے صلح کے طور پر تخفیف فرمائی، لیکن انصاری کے نہ ماننے پر آپ ﷺ نے شریعت کے مطابق فیصلہ فرمایا۔'' (البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب المساقاة، باب سكر الانهار، رقم الحديث: ۲۳۵۹، ط: دار طوق النجاة)

یہاں آپ ﷺ نے ابتداء میں کچھ تخفیف والا فیصلہ فرمایا، اور علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اشارہ بھی کیا کہ وہ کچھ تخفیف کریں۔

(الآلوسي، شهاب الدين محمود، تفسير روح المعاني، سورة النساء، الآية: ۶۵، ۵/ ۹۵، ط: مكتبه رشيديه)

تاکہ فریقین کی رعایت ہوجائے، لیکن دوسری مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا مکمل حق دیا، اور انصاری کے حق میں بھی کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔

جھوٹی قسم کھانے سے ڈرانا

اگر مدعی کے پاس اپنے دعویٰ پر گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے، یہی اسلامی طریقہ ہے۔ آپ ﷺ گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعا علیہ کو قسم کھانے کا حکم دیتے، لیکن جھوٹی قسم کھانے پر وعید سے ڈراتے، اور یہ بھی آپ کی رحمت ہی کا ایک مظہر تھا، تاکہ انسان سمجھ جائے اور دنیا کے تھوڑے فائدے کے لیے اپنے اُخروی اور دائمی فائدے سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔

ایک فیصلے کے دوران جب مدعا علیہ قسم کھانے لگا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: «مَنِ اقْتَطَعَ أَرْضًا ظَالِماً لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ». (القشيري، مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة، رقم الحديث: ۲۰۰، ط: المكتبة الفاروقية)

''جس کسی نے دوسرے کی زمین ظلم کرتے ہوئے ہتھیا لی، تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ جل شانہ اس پہ غضبناک ہوں گے۔''

خلافِ شرع حکم کو رد کرنا

آپ ﷺ نہ صرف شریعت کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے، بلکہ خلافِ شریعت کیے گئے فیصلوں کو بدل کر درست فیصلہ کیا کرتے تھے، چنانچہ جب ایک موقع پر دو شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور

وہ دونوں کسی مسئلے میں آپسی رضامندی سے فیصلہ کر چکے تھے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: "لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، أَمَّا الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ فَرَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ، وَتَغْرِيبُ عَامٍ۔" (البخاري، محمد بن إسماعيل، صحیح البخاري، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور، رقم الحدیث: ۲۶۹۵، ط: دار طوق النجاة)

''میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، وہ باندی اور تمہاری بکریاں تمہیں لوٹا دی جائیں گی، اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور سال بھر کی جلاوطنی ہوگی۔''

یہاں آپ ﷺ نے خلافِ شریعت فیصلے کو منسوخ کر کے عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

نزاع ختم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا

آپ ﷺ فریقین میں صلح کروانے اور نزاع ختم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی ذمہ داری قبول کرنے والا نہ ہوتا تو آپ ﷺ اپنی طرف سے مظلوم کی داد رسی فرماتے، چنانچہ ایک موقع پر جب عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کا مقتول جسم خیبر میں پایا گیا اور کسی طرح بھی اس کے قاتل کی تعیین نہ ہو سکی، اور معاملہ کسی طور نہ سلجھ سکا تو آپ ﷺ نے اپنے پاس سے ان کی دیت ادا فرمائی۔ (البخاري، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاري، کتاب الاحکام، باب کتاب الحاکم إلى عماله، رقم الحدیث: ۷۱۹۲، ط: دار طوق النجاة)

ایسے ہی آپ ﷺ حضرت جابر بن عبداللہؓ کے والد کا قرض ادا کرنے کے لیے خود تشریف لائے، اور قرض خواہوں کو اپنے دستِ مبارک سے کھجوریں دیں، جبکہ اس سے پہلے قرض خواہ ان کھجوروں کے لینے سے انکار کر چکے تھے۔ (النسائی، احمد بن شعیب، کتاب الوصایا، باب قضاء الدین قبل المیراث، رقم الحدیث: ۳۶۳۹، ط: دار المعرفۃ)

ظاہری حالت پر فیصلہ کرنا

رسول اللہ ﷺ فریقین کی ظاہری حالت پر فیصلہ فرماتے تھے، اور بسا اوقات وحی کے ذریعے اس فیصلے کی تائید یا اس کے بارے میں کوئی آیت نازل ہو جاتی، خود آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَإِنْ قَضَيْتُ لِأَحَدٍ مِنْكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ، فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا۔" (الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذي، ابواب الاحکام، باب ما جاء في التشدید على من يقضى له بشيء، رقم الحدیث: ۱۳۳۹، ط: دار الغرب الاسلامی)

''تم لوگ میرے یہاں اپنے مقدمات لاتے ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تم میں دوسرے سے دلیل بیان کرنے میں بڑھ کر ہوتا ہے، پھر میں اس کو اگر اس کے بھائی کا حق دلا دوں، تو میں اس کو دوزخ کا ایک ٹکڑا دلا رہا ہوں۔''

قاضیوں کے لیے ہدایاتِ نبوی

آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق امت کو ہدایت دی ہیں، قضاۃ اور حاکم کو بوقتِ قضاء اور فیصلہ کرتے وقت کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے، آپ ﷺ نے اپنے ارشادات سے ان کے حوالے سے مکمل رہنمائی کی ہے، چنانچہ فرمانِ نبوی ہے: "لَا يَحْكُمُ الحَاكِمُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ." (الترمذي، محمد بن عيسىٰ، سنن الترمذي، أبواب الاحكام، باب ماجاء القاضي لا يقضي وهو غضبان، رقم الحديث: ۱۳۳۴، ط: دار الغرب الاسلامی)

''قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "فَإِذَا جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْكَ الْخَصْمَانِ، فَلَا تَقْضِيَنَّ حَتّٰى تَسْمَعَ مِنَ الْآخَرِ." (السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، کتاب الاقضیۃ، باب کیف القضاء، رقم الحدیث: ۳۵۸۲، ط: دار المعرفۃ)

''جب دونوں فریق تمہارے سامنے بیٹھ جائیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔''

آپ ﷺ کے متفرق فیصلے

آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کئی فیصلے کیے۔ یہ تمام فیصلے مبنی برحق ہونے کے ساتھ ساتھ پوری اُمت کے لیے کئی اسباق لیے ہوئے تھے۔ ذیل میں آپ ﷺ کے چند فیصلے ذکر کیے جاتے ہیں:

1- نبی کریم ﷺ نے بنی مخزوم کی عورت کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا، باوجود یہ کہ اس عورت کے حق میں کئی سفارشیں آئیں۔ (الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، ابواب الحدود، باب ما جاء في كراهية ان يشفع فی الحدود، رقم الحدیث: ۱۴۳۰، ط: دار الغرب الاسلامی)

2- آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ جو کوئی قتلِ خطا میں مارا جائے، اس کی دیت سو اونٹ ہوگی۔ (السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، کتاب الدیات، باب الدیۃ کم هي، رقم الحدیث: ۴۵۴۳، ط: دار المعرفۃ)

3- بچہ کے نسب کے متعلق آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ کا نسب اپنی ماں کے شوہر سے ہی ثابت ہوگا۔ (البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب الولد للفراش، رقم الحدیث ۶۷۴۹، ط: دار طوق النجاۃ)

4- آپ ﷺ نے قابلِ تقسیم چیزوں میں شرکاء کے درمیان شفعہ کا فیصلہ فرمایا۔ (الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذي، ابواب الحدود، باب ماجاء فی الشفعۃ، رقم الحدیث: ۱۳۶۸، ط: دار الغرب الاسلامی)

قسط (۷)

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ
اور علوم وفنون میں آپ کی جامعیت

ابوطہ محمد صغیر پرتاپ گڑھی
استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

فن اسماء الرجال اور تاریخ وسیر

اللہ تعالی نے فن اسماء الرجال میں بھی آپ کو مجتہدانہ شان عطا فرمائی تھی اور آپ بلاشبہ اس فن کے بھی امام تھے، درس حدیث کے دوران اس حوالے سے آپ کا جوہر خوب ظاہر ہوتا تھا اور اس فن کی ایسی ایسی باریکیوں پر آپ کی نظر تھی کہ ماضی قریب میں شاید ہی اس فن پر اس قدر اطلاع تام رکھنے والا کوئی محدث گذرا ہوا، آپ کی اسی اجتہادی شان کو آپ کے شاگرد حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''آپ فن اسماء الرجال کے بھی امام تھے اور ناموں کی تصحیح اور عام الفاظ کی تصحیح کا بھی غیر معمولی اہتمام فرماتے تھے۔ علل الحدیث پر بھی آپ کی گہری نظر تھی اور پوشیدہ علتوں پر بھی آپ کی گرفت مضبوط تھی۔'' (تصویر انور، ص:۴۲)

حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ اس فن میں آپ کے غیر معمولی تبحر کو یوں بیان کرتے ہیں:

''حضرت الاستاذ کا معمول یہ تھا کہ کتب اسماء الرجال میں کسی راوی کی جرح وتعدیل میں جو کچھ لکھا ہوتا تھا، صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے تھے، بلکہ خود اس کے حالات کا سراغ لگا کر اور اس کے محامد ومثالب اور اس کے وجوہ واسباب کا تجزیہ وتحلیل کر کے اس کے متعلق اپنی آزاد رائے قائم کرتے تھے، اگر کسی کتاب میں راوی کا نام غلط چھپا ہوتا تھا تو اس کی تصحیح کرتے اور متنبہ فرماتے۔'' (ایضاً، ص:۵۱)

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ کا یہ بیان بھی اس فن میں آپ کی امامت پر بین ثبوت ہے:

’’دوران درس اسماء الرجال پر کلام فرماتے ،خصوصاً جن رواۃ کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے، جرح وتعدیل کے اختلاف کو نقل کر کے اپنا قول فیصل بتلا دیتے کہ یہ راوی کس درجہ میں قابل قبول ہے اور یہ کہ اس کی روایت حسن کے درجہ میں رہے گی یا صحیح کے درجہ میں یا قابل رد ہوگی یا قابل اغماز ۔‘‘(ایضاً،ص:۱۰۹)

اس فن میں آپ کو کس قدر کمال حاصل تھا، اس کا اندازہ امام حاکم کے سلسلے میں آپ کے اس قول فیصل سے لگایا جا سکتا ہے:

’’حاکم پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مستدرک میں موضوعات کو کیوں لیا ہے ۔ جو جوابات حاکم کے عذر کے لیے بعض محدثین نے دیئے ہیں وہ مہمل ہیں ۔ایک عجیب لطیفہ یہ بھی ہے کہ میری تحقیق میں حاکم کی بعض روایتوں میں اوپر کے رواۃ ، بخاری کی شرائط کے مطابق ہیں اور نیچے سند میں کذاب اور وضاع بھی ہیں، اس کے باوجود حاکم کہہ دیتے ہیں کہ یہ روایت بخاری کی شرائط کے مطابق ہے، میں متردد رہا، پھر غور وفکر کے بعد واضح ہوا کہ وہ سند کے ایک ٹکڑے پر ’’علی شرط الشیخین‘‘ کا حکم لگاتے ہیں ۔ یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے ورنہ تو حکم مجموعہ اسناد پر ہوتا ہے ۔‘‘(نوادرات،ص:۲۶)

اس فن سے آپ کو بڑا شغف تھا اور اس کے لیے آپ نے فن اسماء الرجال وتاریخ کی کتابوں کا مطالعہ بڑی گہرائی سے کیا تھا، جس کی وجہ سے آپ کی نظر صرف راویان حدیث ہی تک محدود نہیں تھی ، بلکہ تاریخ میں درج دیگر حضرات کے احوال پر بھی آپ کامل اطلاع رکھتے تھے ۔جیسا کہ آپ کے شاگرد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیو بند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’ایک شخص ہے ابوالحسن کذاب، جو جھوٹ بولنے میں یکتا گذرا ہے ۔ مجھے اس کے حالات کی جستجو تھی، مگر کسی کتاب میں نہیں ملے ۔ میں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور یہ حضرت کی عمر کا بالکل آخری دور تھا، اور عرض کیا کہ حضرت مجھے اس کے حالات کسی بھی کتاب میں کذب کے عنوان سے نہیں ملے ۔فرمایا: مولوی صاحب آپ نے بھی کمال کر دیا، صفت کذب کیا کوئی مستحسن صفت ہے کہ لوگ اس کا عنوان قائم کر کے ’’کذابین‘‘ کے حالات قلم بند کرتے ۔ یہ حالات ادب وتاریخ کی کتابوں میں کہیں نہ کہیں منتشر طور پر مل جائیں گے، اور یہ فرما کر چھ سات کتابوں کے نام بتلا دیئے کہ ابن خلدون میں فلاں جگہ دیکھئے اور ابن خلکان میں فلاں جگہ ۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو کتابوں کے یہ اتنے نام بھی یاد نہیں رہیں گے، پس حضرت ہی اس کی کوئی مختصر سی سوانح بیان فرما دیں، اس پر تھوڑے سے تأمل کے بعد ابوالحسن کذاب کی سوانح عمری بیان

فرمانی شروع کی:

''یہ شخص فلاں سن میں پیدا ہوا، اتنی عمر پائی، جھوٹ میں یکتا مانا گیا، بڑے بڑے جھوٹ بولے، اور مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا اور لوگوں کو تشویش میں ڈال گیا اور فلاں سن میں فوت ہوا۔''

میں حیرت سے سن رہا تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ غالباً ابھی حال میں کہیں اس کی یہ سوانح مطالعہ فرمائی ہوگی، جو اس روانی کے ساتھ اس کی سوانح حیات بیان فرما رہے ہیں اور جرأت کر کے عرض بھی کر دیا کہ شاید ابھی حال ہی میں سوانح مطالعہ فرمائی ہوگی۔

''فرمایا جی نہیں، مولوی صاحب تقریباً تیس سال کا عرصہ ہوتا ہے، جب میں مصر گیا تھا تو خدیوی کتب خانہ میں پہنچ گیا اور اتفاق سے ایک رسالہ ابوالحسن کذاب کے حالات پر مشتمل سامنے آ گیا، مجھے دلچسپی ہوئی اور میں نے اسی فرصت میں پورا پڑھ لیا، آج آپ کے سوال کرنے پر جب ذہن ادھر منتقل ہوا تو وہ سارا رسالہ ذہن میں مستحضر ہو گیا، ورنہ مجھے کہاں فرصت کہ لوگوں کے جھوٹ، سچ، مکر وفریب یا چوری ڈکیتی کے واقعات کے مطالعہ میں وقت ضائع کروں۔'' (تصویر انور، ص: ۳۳)

فرماتے تھے کہ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی کا مستقل شیوہ ہے کہ وہ حنفیہ کے عیوب نکالتے ہیں اور مناقب چھپاتے ہیں اور شوافع کے ساتھ معاملہ برعکس کرتے ہیں، ایک جگہ حافظؒ نے ابن عبداللہ کی طرف اختیار رفع یدین کی نسبت کی ہے، حالانکہ وہ قول ابن عبدالحکیم کا ہے۔

فرمایا کہ: حافظ ابن حجرؒ نے رجال میں حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے، حتی کہ امام طحاویؒ کے عیوب بھی نکالے ہیں، حالانکہ امام طحاویؒ جب تک مصر میں رہے، کوئی محدث نہیں پہنچتا تھا، جو ان سے حدیث کی اجازت نہ لیتا ہو اور وہ حدیث کے مسلم امام ہیں، امام طحاوی کا سوواں حصہ رکھنے والوں کی بھی حافظ نے تعریف کی ہے۔فرمایا کہ:

''حافظ ابن حجر کی عادت ہے کہ جہاں رجال پر بحث کرتے ہیں، کہیں حنفیہ کی منقبت نکلتی ہو تو وہاں سے کترا جاتے ہیں، دسیوں بیسیوں جگہ پر یہی دیکھا۔'' (ملفوظات محدث کشمیری، ص: ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ملخصاً)

……◆……

مفتی محمود احمد ناصری نستویؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث جامعہ ہٰذا و نائب مدیر ماہ نامہ محدث عصر

بہار کی اہم ترین شخصیات کا ذکر ہو تو حضرت مفتی محمود احمد نستوی صاحبؒ فراموش نہیں کیے جا سکتے۔ نرم خو، شیریں گفتار، پاکیزہ کردار، صوفی و مرتاض، مرنجاں مرنج۔ کم سخنی و کم آمیزی وصف خاص۔ غیبت سے نفور، زائد گفتاری سے میلوں دور۔ یہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کے خلیفہ و مجاز۔ علمی، دینی و برگزیدہ شخصیت۔ ان کی زندگی بڑی ہی نیکیوں اور نیک نامیوں کے ساتھ گزری۔ تاریخ وفات 29 مئی 1988 ہے۔

مفتی صاحب کا خاندان

مفتی صاحب کی ولادت بڑے ہی عظیم الشان گھرانے میں ہوئی۔ ان کے والد مولانا ڈپٹی عبدالصمد صاحبؒ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کے دادا مولانا یاد علی صاحبؒ مولانا شاہ منور علی دربھنگوی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھائی تھے۔ مفتی صاحب کی ولادت 1900 میں ہوئی۔ بانیٔ مدرسہ امدادیہ مولانا منور علی صاحبؒ اس وقت اپنے ادارے کے لیے مالی فراہمی کے سلسلے میں حیدرآباد میں تھے۔ ان کا یہ سفر اپنے دوست اور خواجہ تاش جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے بانی مولانا انوار اللہ فاروقی صاحبؒ کی دعوت پر ہوا تھا، جو نظام حیدرآباد کے اتالیق محترم تھے۔ مولانا دربھنگوی اور مولانا فاروقی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ممتاز خلفا میں سے تھے۔ مولانا دربھنگوی کو مفتی محمود صاحب کی پیدائش کی خبر جب بذریعہ تار پہونچی تو بے انتہا مسرت کا اظہار فرمایا اور خط میں لکھا کہ ان شاء اللہ میں حیدرآباد سے جلد واپسی کروں گا اور عقیقے کی سنت بھی اسی موقع پر ادا کی جائے گی، لیکن مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ مولانا وہیں بیمار پڑ گئے اور ایسے پڑے کہ وہیں ان کا وصال ہو گیا اور شاہی اعزاز و اکرام کے ساتھ مکہ مسجد میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

تعلیمی مہمات

ابتدائی تعلیم گھر پر، پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں حاصل کی۔ یہ ادارہ ان کی مکتبی تعلیم سے چند سال قبل تک ان کے وطن نستہ میں تھا، پھر 1898 میں دربھنگہ شہر منتقل کر دیا گیا۔ یہاں کے خاص اساتذہ میں مناظر اسلام مولانا سید مرتضی حسن چاند پوریؒ تھے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ امروہہ میں ایک سال رہ کر مشکوٰۃ وغیرہ پڑھی۔ وہاں سے دارالعلوم دیوبند پہونچے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ صدر المدرسین تھے اور بخاری شریف کا درس انہیں سے وابستہ۔ دیگر اساتذہ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ وغیرہم علم کے پھریرے اڑا رہے تھے۔ پہلے سال منطق اور فلسفے کی کتابیں پڑھیں اور اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔ اس سال کی روداد بیان کرتے ہوئے انہوں نے خود ہی لکھا ہے کہ:

> ''دیوبند میں ایک سال گزار کر جب گھر آیا تو حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ پہلی حاضری تھی۔ اس زمانے میں حضرت پر استغراق بہت تھا، اس لیے حضرت نے نام اور پتہ بار بار پوچھا۔ پھر پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو؟ میں نے درسی کتابوں کے نام لیے، جس میں فلسفہ ومنطق کی کتابوں کا نام پہلے ذکر کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں میاں جلد گزرو! پھر مراقب ہو گئے۔ پھر پوچھا کہ میاں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے پھر وہی عرض کیا۔ حضرت نے پھر وہی فرمایا کہ ہاں میاں جلد گزرو! تین بار ایسا ہی ہوا۔ مجھے ذرا بھی انقباض نہ ہوا۔ میں سمجھتا تھا کہ حضرت معذور ہیں۔ پھر تو فلسفہ ومنطق کی طرف میری توجہ ہی نہ رہی، حالانکہ میں بڑی محنت سے پڑھ رہا تھا۔'' (جنت الانوار صفحہ نمبر 348)

منطق و فلسفہ سے مولانا کی شدید دل چسپی کی گواہی سالانہ امتحان کے نتائج بھی دیتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند نے ان کا جو ریکارڈ مجھے دیا ہے، اسے ملاحظہ فرمائیں:

خیالی	میر زاہد رسالہ	مقامات حریری	مسلم الثبوت	صدرا	میر زاہد ملا جلال
50	50	50	50	40	33

اگلے سال مولانا کی فراغت ہوئی۔ نمبرات بڑے اعلیٰ حاصل کیے۔ یہ نمبرات دیکھیے اور ان کی محنت و مستعدی کا اندازہ لگایئے:

بخاری شریف	مسلم شریف	ابوداؤد شریف	طحاوی شریف	نسائی شریف
50	50	50	50	50

شمائل ترمذی	مؤطاامام مالک	مؤطاامام محمد	ابن ماجہ شریف	بیضاوی شریف
50	50	50	45	47

مفتی صاحب کے رفقائے درس

تعلیم کے دوران صرف تعلیم پر توجہ رہی۔ صد سالہ کے موقع پر دیوبند تشریف لائے تو گلی محلوں میں بھی پھرے۔ فرمایا کہ دیوبند کی گلیاں اور محلے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ پڑھنے کے زمانے میں اتنی فرصت کہاں تھی!! مفتی صاحب کے دورۂ حدیث کے رفقا بعض بڑے نامور ہوئے، جن میں مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مفتی عتیق الرحمن عثمانی اور مولانا ابوالوفا شاہ جہاں پوری بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی دعوت

دارالعلوم میں طالب علمی کے دوران علامہ شبیر احمد عثمانی اور میاں سید اصغر حسین دیوبندی سے ان کے خاص مراسم تھے۔ مفتی صاحب نے پڑھائی کے دوران کافی نیک نامی حاصل کی تھی۔ دورۂ حدیث سے انتہائی ممتاز نمبرات کے ساتھ فراغت پائی تو انتظامیہ کی جانب سے انہیں دارالعلوم میں تدریس کی پیشکش کی گئی، مگر انہوں نے طبعی میلان نہ پا کر اس سے معذرت کر لی اور وطن چلے گئے۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جلد ہی شروع کر دیا۔ مدرسہ احمدیہ مدھوبنی میں چند سال رہے۔ یہ ادارہ اس وقت مرجع کی حیثیت رکھتا تھا۔ دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی تھی۔ مدرسہ اسلامیہ آدا پور ڈھاکہ چمپارن میں بھی کئی برس تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر مدرسہ محمود العلوم دملہ نے یاد کیا تو علم و ادب کے گوہر انہوں نے وہاں بھی لٹائے۔ سب سے طویل مدتِ تدریس اسی ادارے میں رہی۔ متواتر چودہ سال طالبان علوم کی علمی و دینی رہبری کرتے رہے۔ وہاں رہتے ہوئے انہوں نے امارت شرعیہ کی طرف سے قضا کا منصب بھی سنبھالا۔ فقیہ وقت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ان سے یہیں پڑھا تھا۔ قاضی صاحب کی تربیت مفتی صاحب نے ہی کی تھی۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی قاضی صاحب کی تعلیمی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مولانا عبدالاحد صاحب کی وفات کے بعد مدرسہ محمود العلوم دملہ ضلع مدھوبنی میں زیر تعلیم رہے۔

یہاں آپ کے خاص استاذ حضرت مولانا محمود احمد صاحب تھے، جو علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد تھے
اور بعد کو مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں شیخ الحدیث ہوئے۔ (بحث ونظر، خصوصی شمارہ، ص33)

پھر مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ تشریف لے آئے۔ یہاں مدرسی کے ساتھ صدارت تدریس پر بھی فائز رہے۔ 1962 سے 1969 تک لگا تار سات سال اس عہدے کو رونق بخشی۔ قضا کا فریضہ یہاں بھی ادا کیا۔ یہاں سے اٹھے تو مدرسہ جامع العلوم مظفر پور چلے گئے۔ غالباً دس سال وہاں انہوں نے مدرسی کی اور دار القضا بھی سنبھالا۔ کچھ دنوں خانقاہ کبیریہ سہسرام کے زیر انتظام مدرسے میں بھی ان کی خدمات رہیں۔ 1979 میں انہوں نے درس وتدریس سے اپنی وابستگی ختم کر لی اور مستقل طور پر خانہ نشیں ہو گئے۔

تدریس کا انداز

مفتی صاحب کے شاگرد مولانا آل حسن صاحب مظفر پوری کہتے ہیں کہ میں نے اصول الشاشی ان سے پڑھی ہے۔ ان کا طرز تدریس بڑا ہی اچھوتا اور مشفقانہ تھا۔ لہجہ انتہائی نرم اور رس دار ہوتا۔ افہام وتفہیم زبردست۔ وہ کہتے ہیں کہ استاذ محترم کی ہر گفتگو خواہ درسی ہو یا غیر درسی، مقامی زبان میں ہوتی۔ وہ اپنا چشم دید واقعہ سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کسی طالب علم نے عبارت خوانی میں غلطی کی اور فتحے کی جگہ ضمہ پڑھ دیا تو مولانا فرماتے کہ: دیکھتے نہیں ہو، یہاں پر حتیٰ موجود ہے، جو لاٹھی لے کر کھڑا ہوا ہے کہ نصب ہی دینا پڑے گا۔ ان کے امتحانی سوالات بڑے جامع ہوتے۔ ایک، دو، تین سطروں میں ہی ان کے سوالات ختم ہو جاتے، مگر جامعیت اس قدر کہ طالب علم کے لیے پورے وقت کا استعمال کرنا ضروری ہو جاتا۔

مدرسہ جامع العلوم مظفر پور کے استاذ حضرت مولانا اقبال صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اصول الشاشی کا انہوں نے پرچہ بنایا۔ پرچے کا سائز پوسٹ کارڈ سے ذرا سا نکلا ہوا تھا۔ مولانا محمد ادریس گڑھولوی جو اس ادارے کے صدر المدرسین تھے، کہنے لگے کہ کیا سوال ہے؟ اتنا چھوٹا!! مولانا کا جواب تھا کہ اسی کا جواب دینا آپ کے لیے بھاری پڑ جائے گا۔

طلبہ کا دلچسپ مؤاخذہ

مولانا آل حسن صاحب کا بیان ہے کہ ہم طلبہ جب کبھی گھنٹہ خالی چاہتے تو انہیں کوئی ایسی بات کہہ جاتے جو ان کے مزاج کے خلاف ہوتی۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے ایک ساتھی نے ان سے کہا کہ حضرت! آپ کی گھڑی بہت فاسٹ ہے۔ استاذ محترم بگڑ گئے۔ کہنے لگے کہ اللہ اکبر! مدرسے کے ماحول

میں بھی انگریزی!! ہمارے اکابر تو اس زبان سے سخت پرہیز کرتے۔ پھر اپنے اساتذہ اور اکابر علماء دیوبند کے تذکرے کرتے۔ خصوصاً علامہ کشمیریؒ کے واقعات نوک زبان۔ پھر اچانک پلٹتے اور کہتے کہ اجی! اب سبق پڑھ لو! جب کہا جاتا کہ حضرت! اب تو وقت ختم ہو چکا ہے تو فرماتے کہ افوہ! وقت میں برکت نہ رہی۔ لگتا ہے کہ قیامت قریب ہے۔

افتاوقضا کی مسند پر

مفتی صاحب یوں تو ہر فن مولا تھے، مگر فقہ وتفقہ ان کا خاص میدان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امارت شرعیہ بہار نے انہیں اپنا قاضی اور مفتی بھی مقرر کر رکھا تھا، چناں چہ وہ درس وتدریس کے ساتھ افتا وقضا کے فرائض بھی برابر انجام دیتے رہے۔ امارت شرعیہ بہار کا دار القضا اس زمانے میں شخصیتوں کے ساتھ چلتا تھا۔ شخصیتیں جہاں ہوتیں دار القضا وہیں چلا جاتا، چناں چہ ان کا دار القضا ان کے ساتھ ہی گردش کرتا رہا۔ محمود العلوم دملہ میں مدرس رہے تو دار القضا محمود العلوم دملہ میں رہا۔ وہاں سے مدرسہ امدادیہ آئے تو دار القضا نے بھی ہجرت کر لی۔ وہاں سے جامع العلوم مظفر پور گئے تو دار القضا نے بھی جامع العلوم میں پڑاؤ ڈال لیا۔

اکل مشتبہ سے احتیاط

حزم واحتیاط ان کے مزاج میں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سرکاری مدارس کو کبھی پسند نہیں کیا۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کی دعوت اسی لیے قبول نہیں کی۔

مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ سے بیعت واجازت

مفتی صاحب کا مزاج تصوف وسلوک کا دلدادہ تھا۔ ان کا خاندانی پس منظر مکمل رشد وہدایت اور طریقت وسلوک ہی تھا۔ سلسلۂ زاہدیہ اسی خاندان کی طرف منسوب ہے، جس کے پہلے بزرگ سلطان سید احمد صوفی تھے۔ مفتی صاحب کے جد اعلیٰ مخدوم شاہ محمد ناصرؒ قطب الاقطاب تھے۔ سید شہاب الدین قتال زاہدیؒ اور ان کے والد گرامی پیر بدر الدین بدر عالم زاہدیؒ کی طریقت نوازی آج بھی زبان زد عام وخاص ہے۔ شہاب الدین حق گو زاہدیؒ کا تقویٰ ایک مسلم حقیقت تھا۔ پیر فخر الدین خداداد زاہدیؒ المعروف بہ شاہ ولایت میرٹھی کے رشد وہدایت کا چرچا عام تھا۔ شاہ ولایت کے والد سید شہاب الدین کبیر زاہدیؒ سابق امام خانۂ کعبہ کے زہد وورع پر امت کا اتفاق تھا۔ یہ سب مفتی محمود صاحب نستویؒ کے اجداد تھے۔ مفتی صاحب کے والد مولانا ڈپٹی عبد الصمد صاحبؒ فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے منسلک تھے۔ ان کے دادا

حضرت مولانا منور علی دربھنگویؒ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلفائے اجل میں سے تھے۔ غرض پورا خاندان ''اباً عن جدٍ'' خانقاہوں سے وابستہ تھا۔ ان کا یہی مزاج مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کی بارگاہ میں لے گیا۔ مولانا گڑھولویؒ وہ شخصیت ہیں، جن کی تعریف وتوصیف خود امام العصر علامہ کشمیریؒ نے بھی فرمائی ہے۔ مولانا گڑھولویؒ نے مفتی نستوی صاحبؒ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔ بیعت کی داستان بیان کرتے ہوئے مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''میں نے حضرت سے بیعت لینے کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا کہ حضرت ابوذر غفاری نے ایک دن جوش محبت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے تو حضرت نے بھی از راہ شفقت فرمایا: المرء مع من احب۔ آدمی اس کے ساتھ ہوگا، جس سے اس کو محبت ہے۔ بیعت کیا چیز ہے؟ محبت وعبادت ہی کا نام تو بیعت ہے۔ تم میرے عزیز ہو۔ جب وقت آئے گا تو سب کچھ بتا دیں گے۔ پھر کسی دوسری صحبت میں بیعت کی درخواست کی تو فرمایا کہ اصل فرض اور واجب ہی ہے۔ باقی اور جو توفیق ہو جائے۔ خدا اور رسول کا جو حکم ہے اس پر اللہ تعالی ہم کو دل سے عمل کی توفیق دیں۔ یہی اصل میں تصوف ہے۔

حضرت اقدس کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنے سلسلے کے اوراد بتایا کرتے تھے۔ یہی سلسلے میں داخلہ ہونا تھا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنا سوائے دو تین بار کے معمول نہ تھا۔'' (جنت الانوار صفحہ نمبر 351)

پیرومرشد کی وفات ہوئی تو رابطہ ان کے خلیفہ جناب نور اللہ صاحب سے رکھا۔ نور اللہ صاحب کسی زمانے میں پنڈت تھے۔ مولانا گڑھولوی کے ہاتھ پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، مگر شہرت نور اللہ سے زیادہ حضرت پنڈت جیؒ سے پائی۔

علامہ کشمیریؒ کے بارے میں مفتی صاحبؒ کے تاثرات

مفتی صاحبؒ علامہ کشمیریؒ سے شدید متاثر تھے۔ فرمایا کرتے کہ دو شخصیات نے مجھے مسلمان بنا دیا: ایک تو علامہ کشمیری اور دوسرے مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ۔ فرماتے تھے کہ علامہ کشمیریؒ کے درس میں اپنی جہالت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

مفتی صاحب کبھی کبھار ان کی زیارت کے لیے ان کے گھر بھی چلے جاتے۔ ایک دن پہونچے تو دیکھا کہ حضرت چار پائی پر بیٹھے ہیں۔ کچھ طلبہ بھی ارد گرد موجود۔ ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت یہ مسئلہ اس کتاب میں نہیں مل رہا۔ حضرت نے کتاب ہاتھ میں لی، صفحہ الٹا اور متعلقہ سطر پر انگلی رکھ دی۔

مفتی صاحب فرماتے علامہ کشمیریؒ صورت سے گریہٴ مسکین نظر آتے۔ فرماتے کہ امام کشمیریؒ نے درس کے دوران فرمایا کہ پوری زندگی میں نے غیبت نہیں کی۔ ایک بار فرمایا کہ پیش گوئی میری عادت نہیں، مگر اس وقت تین پیش گوئی کر رہا ہوں۔ ایک تو یہ کہ انگریز ہندوستان سے اس طرح جائیں گے جیسے چٹائی لپیٹ دی جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ حضرت شیخ الہند کے ترجمہٴ قرآن کی خوب اشاعت ہوگی۔ تیسری یہ کہ مجھے تشویش تھی کہ ہندوستان میں اسلام محفوظ رہے گا یا نہیں، مگر اب انشراح ہو چکا ہے کہ ان شاءاللہ یہاں اسلام محفوظ رہے گا۔

نماز سے وارفتگی

نماز انہیں بڑی محبوب تھی۔ مولانا آل حسن صاحب کہتے ہیں کہ اذان کی آواز سن کر ایسا معلوم ہوتا گویا انہیں کرنٹ لگ گیا ہو۔ فوراً کھڑے ہو جاتے اور نماز کی تیاریوں میں لگ جاتے۔ فرماتے کہ وقت کی برکت ختم ہوگئی ہے۔ اذان بڑی جلدی جلدی ہو رہی ہے۔

نقل واقعات میں احتیاط

صاف ستھری اور جامع گفتگو ان کی عادت ثانیہ تھی۔ مخاطب کے حال کی رعایت ہمہ وقت پیش نظر۔ استحضار اور نقل واقعات میں حد درجہ احتیاط۔ وہ جو واقعہ بھی نقل کرتے خوب ناپ تول کر اور کامل تنقیح کے ساتھ۔ واقعہ کے بیان میں ہمیشہ وہی الفاظ اور وہی جملے۔ مولانا بشارت کریم گڑھولوی کے فرزند مولانا محمد ادریس ذکا گڑھولوی مولانا مرحوم کا سراپا کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمود احمد صاحب موضع نستہ، ٹولہ ناصر گنج، ضلع دربھنگہ کے رہنے والے اور بانیٔ مدرسہ امدادیہ حضرت مولانا منور علی صاحب کے حفید ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے ابنائے قدیم میں ہیں۔ مولانا بڑے باوضع، خود دار، متقدمین علماء کی وضع قطع پر زندگی گزارنے والے، عزلت پسند، گوشہ نشیں ہیں۔ سالہا سال متعدد علمی درس گاہوں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد اب اپنے آبائی وطن میں قیام پذیر ہیں۔ مریدین اور مستفیدین کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔
>
> مولانا محمود صاحب کا ایک خصوصی وصف یہ دیکھنے میں آیا کہ موصوف جب کسی بزرگ کے بارے میں کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو اس کی کامیاب کوشش کرتے ہیں کہ اس کا بعینہ وبلفظہ نقل کریں، خواہ جتنی بار بھی نقل کرنے کا موقع ہو، اس لیے لوگ آپ سے منقول روایتوں پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ (جنت الانوار صفحہ نمبر 343)

بزرگوں کے اقوال و احوال کی نقل میں کافی بے احتیاطیاں اور مبالغہ آرائیاں ہوتی ہیں۔ مولانا اس سے کبیدہ خاطر ہوتے۔ اپنی ایک تحریر میں انہوں نے اس کا شکوہ بھی کیا ہے۔ حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جی کے حالات قلم بند کرتے ہوئے اپنے رسالہ جو یائے حق کے ابتدائیے میں لکھتے ہیں:

''عرصہ سے اس حقیر سراپا تقصیر کے دل میں یہ خیال ہوتا تھا کہ حضرت پنڈت جی کے احوال اگر قبول اسلام سے قبل کے اور بعد کے قلم بند کر لیے جائیں تو مسلمانوں میں جو عبرت پذیر لوگ ہیں ان کو نفع ہوتا اور اس کے ساتھ ہی یہ خواہش بھی تھی کہ جو کچھ بھی جمع کیے جائیں وہ صحیح بھی ہوں۔ اکثر لوگ کسی بزرگ یا کسی شخصیت کے احوال بیان کرتے ہیں تو وہ غلط و صحیح میں احتیاط نہیں کرتے۔ جو بات بھی صحیح یا غلط معلوم ہوتی ہے اس کو نقل کر دینے میں پوری تحقیق و صحت کا التزام نہیں کرتے۔ اگر چہ احقر کو حضرت پنڈت جی کے قبول اسلام کے وقت سے شرف زیارت حاصل ہوتا رہا۔ غالباً ساتواں روز تھا کہ یہ حقیر گڑھول شریف صادر ہوا اور حضرت مولانا گڑہول نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ ایک پنڈت آئے ہوئے ہیں۔ آج ساتواں روز ہے۔ اس وقت سے پاکستان جانے کے وقت تک ملاقات و زیارت کا موقع ملتا رہا۔'' (الاکلیل صفحہ نمبر 137)

دل کا خوش ہونا بھی دعا ہی ہے

مفتی صاحب کی ادائیں بڑی پیاری تھیں۔ 1979 سے خانہ نشیں ہو چکے تھے۔ اوراد و وظائف اور نوافل میں اپنا وقت بسر کرتے۔ ملاقاتیوں سے بہت خوش ہوتے۔ مولانا آل حسن صاحب کہتے ہیں کہ ایک بار میں ان سے ملاقات کو گیا۔ پوچھا کیسے آنا ہوا؟ جواب دیا کہ فقط ملاقات کو آیا ہوں۔ کہنے لگے کہ اللہ اکبر! آپ نے صرف ملاقات کے لیے اتنی زحمت کر لی! بے غرض ملنا ملانا تو گویا عنقا ہو چکا۔ اب تو جو بھی ملتا ہے کوئی نہ کوئی غرض لے کر ہی آتا ہے۔ مولانا نے دعا کے لیے درخواست کی تو فرمایا کہ آپ ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ دل خوش ہوا۔ اس سے بڑی دعا کیا ہوگی!

مولانا کا حلیہ

میں نے بچپن میں مفتی صاحبؒ کو دیکھا ہے۔ علامہ کشمیریؒ کے یہی ایک شاگرد ہیں جن کی زیارت کا شرف مجھے حاصل ہے۔ یہ میرے والد مرحوم کے حقیقی چچا تھے اور سب سے بڑے سمدھی بھی۔ میری بڑی بہن ان کے سب سے چھوٹے صاحب زادے جناب سہیل احمد ناصر صاحب سے منسوب ہیں۔ اس مناسبت سے اپنے بچپن میں ایک دو بار جانا رہا۔ مولانا کو دیکھا تو ان کا حلیہ کچھ اس طرح تھا: دراز قامت۔ کتابی چہرہ۔ بیضوی رنگ۔ کھڑی ناک۔ ریش مبارک گنجان اور سیاہی نام کو بھی نہیں۔ گھیر دار قمیص اور

چوڑی دار پائجامہ۔ سب کچھ سفید۔ پورا پیکر نورانیت کی تصویر۔ ان کی امامت میں نماز بھی پڑھنے کی سعادت ملی۔ کچھ سوال وجواب بھی ہوا، مگر مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔

سفر آخرت

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ 1979 سے مفتی صاحب نے گھر پکڑ لیا تھا اور بقیہ پوری زندگی عزلت نشینی میں گزاری۔ وفات سے ایک ہفتہ قبل اپنے چھوٹے فرزند جناب سہیل احمد صاحب سے کہنے لگے:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف ست * با دوستاں تلطف، با دشمناں مدارا

صحت قابل رشک تھی۔ چشمے کی نوبت اخیر تک نہیں آئی۔ لالٹین کی روشنی میں بغیر عینک کے ہی اخبار وغیرہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ بڑھتی عمر کے سبب نقاہت ہونے لگی تھی، وہ بڑھتی ہی چلی گئی۔ اخیر کے آٹھ دس ماہ مہلک مرض سے نبرد آزما رہے۔ حلق شدید متاثر تھا۔ کھانا پینا معمول سے ہٹ چکا تھا۔ یہ موذی مرض ہی ان کی وفات کا سبب بنا۔ خاص بات یہ کہ اس دوران بھی ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ عصر کے بعد خود سے استنجے گئے اور واپس آئے۔ کچھ دیر کے بعد بے ہوش ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے روح پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مغرب کے بعد شدید آندھی آئی اور موسم نمناک ہو گیا۔ ضمان اللہ ندیم مرحوم متوسل خاص کہتے ہیں کہ جیسے ہی تیز طوفان آیا، مجھے کھٹکا لگ گیا کہ حضرت کا وصال ہو گیا ہے۔

مفتی صاحب کی وصیت تھی کہ نماز جنازہ مولانا بشارت کریم گڑھولوی کے فرزند مفتی عزیز صاحبؒ پڑھائیں، مگر وہ آ نہیں سکے۔ اہل خانہ کی خواہش ہوئی کہ مولانا محمد قاسم مظفر پوری موجود ہیں، وہی پڑھائیں گے، مگر مفتی صاحب کے بڑے فرزند مولانا عقیل احمد ناصری صاحب دام ظلہٗ نے اپنی آرزو ظاہر کر دی کہ نماز جنازہ میں پڑھاؤں گا۔ انہیں ہی آگے بڑھا دیا گیا۔ شرکاء جنازہ اور کاندھا دینے والوں کا ہجوم اندازے سے کہیں زائد تھا۔ تدفین گھر کے احاطے میں ہی اپنی اہلیہ کے پہلو میں عمل میں آئی۔

مفتی صاحب کی دو شادیاں ہوئیں اور دونوں ہی مہدولی دربھنگہ میں۔ پہلے محل سے صرف ایک لڑکی ہوئی، جو مرحوم جناب محمد زکریا صاحب نستہ سے منسوب تھیں۔ محل اولی کی وفات کے بعد دوسرا نکاح انہیں کی بہن سے کیا، جن سے دو بیٹیاں اور تین لڑکے ہوئے۔ بڑے لڑکے مولانا عقیل احمد ناصری ہیں، دوسرے الحاج عتیق احمد ناصری مرحوم اور تیسرے جناب سہیل احمد ناصری مدظلہ۔ باری تعالیٰ مفتی صاحب کے فیضان کو خوب عام فرمائے۔

……✦……

آیئے جانیں کہ
وقف قانون ۲۰۲۵ء کیوں گوارا نہیں؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

افسوس اور صد افسوس کہ صرف مسلمانوں ہی نہیں؛ بلکہ ملک کی تمام انصاف پسند اور سیکولر قوتوں کی مخالفت کے باوجود اقتدار کے نشہ میں چور حکومت نے وقف ترمیمی بل ۲۰۲۴ء کو پاس کر دیا اور صدر جمہوریہ کے دستخط کے بعد یہ قانون بن چکا، یوں تو پورا قانون ہی مسلم مخالف، دستور مخالف اور ظلم و ناانصافی پر مبنی ہے؛ لیکن اس کے چند واضح غیر منصفانہ پہلوؤں کا جاننا ضروری ہے:

وقف املاک کو ہڑپنے کی کوشش

(۱) اس قانون کا مقصد وقف کی املاک کو ہڑپ لینا اور سرکاری تعاون سے ضائع کرنا ہے اور اس کے لئے کئی تدبیریں اختیار کی گئی ہیں:

(الف) پرانے وقف ایکٹ تھا کہ اگر طویل عرصے سے کوئی جائیداد بطور مسجد، درگاہ یا قبرستان کے طور پر استعمال ہو رہی تھی اور مذہبی اور خیراتی مقاصد کے لئے تھی تو اس کو وقف جائیداد تسلیم کیا جائے گا۔ اس کو وقف بذریعہ استعمال (Waqf By User) کہا جاتا ہے۔ موجودہ حکومت نے جو قانون بنایا، اُس میں اس کو بالکل ختم کر دیا گیا تھا، پھر جب مسلمانوں نے مطالبہ کیا تو بعض این ڈی اے حلیفوں کے مشورہ پر اس میں ترمیم کی گئی اور کہا گیا ہے کہ مستقبل میں جو اَملاک وقف کی جائینگی ان پر اس کا اطلاق ہوگا، پہلے سے جو وقف موجود ہے، ان میں وقف بالاستعمال کو تسلیم کیا جائے گا؛ لیکن اگر ان میں کوئی تنازع ہو یا وہ سرکاری زمین ہو تو صرف استعمال کی وجہ سے ان کو وقف نہیں مانا جائیگا۔ یہ ایک طرح سے ماضی کے اوقاف کو بھی ہڑپنے کی ایک بالواسطہ کوشش ہے۔ عام طور پر جو لوگ کوئی زمین یا جائیداد دینی یا خیراتی

مقاصد کیلئے وقف کرتے ہیں تو یہ سوچ کر کرتے ہیں کہ ہم نے یہ زمین اللہ کیلئے وقف کر دی ہے، اس سے لاتعلق ہو جاتے ہیں، جب حکومت سروے کرواتی ہے تو ان اراضی کا کوئی مدعی سامنے نہیں آتا اور ان کو ''بحق سرکار'' لکھ دیا جاتا ہے۔ دیہات وقصبات، چھوٹے شہروں وغیرہ میں وقف کی ایسی بہت سی جائیدادیں ہیں، ان تمام زمینوں کو سرکاری زمین قرار دے کر ان پر قبضہ کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

دوسرے: ہمارے ملک میں بعض شر پسند عناصر نے کسی بھی مسجد، درگاہ، عیدگاہ وغیرہ پر بلا دلیل وثبوت ہندو مذہبی مقام ہونے کا مطالبہ کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، جس کی ابتداء ایودھیا سے ہوئی۔ رات کے اندھیرے میں چھپ چھپا کر وہاں ایک مورتی لا کر رکھی گئی اور دعویٰ کیا گیا کہ یہاں رام جی پرکٹ ہوئے ہیں۔ اب اس طرح کے دعوے ملک کے مختلف حصوں میں کئے جانے لگے ہیں، ابھی گیان واپی مسجد میں وضوخانہ کے فوارے کو شیولنگ کہا جارہا ہے اور وی ایچ پی نے تقریباً ساڑھے تین ہزار مساجد کی فہرست تیار کر رکھی ہے جن کے بارے میں دعویٰ کیا جارہا ہے کہ یہاں مندر تھے۔ اس فہرست میں آئے دن اضافہ ہی ہورہا ہے، درگاہوں پر بھگوا جھنڈے لگائے جارہے ہیں، قبرستانوں کو مسمار کیا جارہا ہے اور بے دلیل دعوے کی بنیاد پر حکومت ان کو متنازع تسلیم کر لیتی ہے۔ اس طرح اگر غور کیا جائے تو حکومت نے ایک طرف اپنے حلیفوں کی بات رکھنے کیلئے گزشتہ اوقاف کا استثناء کیا ہے تو دوسری طرف نہایت ہی چابکدستی کے ساتھ ان پر بھی خود قبضہ کرنے اور شر پسند عناصر کو قبضہ دلانے کا راستہ نکال لیا ہے۔

(ب) ۱۹۹۵ء کے قانون کی دفعہ (۱۰۷) کے تحت وقف جائیداد کو ''لمیٹیشن ایکٹ'' سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا، اس ایکٹ کے تحت کسی جائیداد پر بارہ سال یا اس سے زائد قبضہ کو ملکیت تسلیم کیا جاتا ہے اور قابض شخص کو اس کا مالک تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ وقف کی جائیداد کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، لہٰذا وقف کی جائیداد پر قدیم غاصبانہ قبضے ختم کروائے جاسکتے تھے۔ حال ہی میں منظور کئے گئے قانون میں لمیٹیشن ایکٹ سے وقف کی جائیداد کے استثناء کو ہٹا دیا گیا، جس سے قدیم غاصبانہ قبضے کو جواز فراہم ہو جائیگا۔

(ج) ہندستان میں بہت سے مسلمان بادشاہوں، نوابوں اور زمینداروں نے اپنی غیر مسلم رعایا کیلئے وقف کیا ہے، اسی طرح غیر مسلم حکمرانوں اور راجاؤں نے مسلمانوں کیلئے زمینیں اور عمارتیں دان دی ہیں۔ آج بھی بہت سے غیر مسلم بھائی اپنے مسلمان ہمسایوں کیلئے خیر کے کاموں میں زمین دیتے ہیں، اسی طرح مسلمان بھی برادران وطن کیلئے زمین کا تحفہ دیتے ہیں۔ موجودہ قانون کے تحت اُن جائیدادوں کو، جو کسی غیر مسلم نے وقف کیلئے عطیہ کی ہوں اور بطور مسجد، قبرستان اور مسافرخانہ استعمال ہورہی ہوں، ختم کر دیا گیا ہے، لہٰذا غیر مسلموں کے یہ عطایا وقف کے دائرہ سے نکل جائیںگے اور بہت سے اوقاف پر سرکار قابض ہوسکتی ہے۔

تفریق پر مبنی قانون

(۲) یہ قانون تفریق اور امتیاز پر مبنی ہے؛ چنانچہ:

(الف) وقف بذریعہ استعمال کی صورت ہندو مذہبی اَملاک کیلئے، سکھوں، بدھسٹوں اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کیلئے اب بھی تسلیم کی جاتی ہے؛ لیکن مسلمانوں کے اوقاف کے معاملہ میں اس کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جیسا کہ اوپر اس کا ذکر آیا ہے، یہ واضح طور پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان امتیاز پر مبنی قانون ہے۔

(ب) لمیٹیشن ایکٹ سے استثناء کا قانون ہندو، سکھ، بودھ اور کرسچن وغیرہ کیلئے بھی موجود ہے؛ لیکن یہ قانون مسلمانوں کو اپنے اوقاف کے تحفظ سے محروم کرتا ہے۔

(ج) ہندو اینڈ ومینٹ جو ہندو اوقاف کی شکل ہے، میں اس بات کو ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کا ہر رکن ہندو ہو، کیرالا، اتر پردیش، کرناٹک اور تامل ناڈو وغیرہ میں ایسے قانون موجود ہیں، جن کے مطابق ہندو جائیدادوں کا انتظام صرف ہندو ہی کر سکتے ہیں، بہار اینڈ ومینٹ ایکٹ کے تحت تین بورڈ قائم ہیں، ہندو اینڈ ومینٹ بورڈ، سوتمبر جین اینڈ ومینٹ بورڈ اور ڈگمبر اینڈ ومینٹ بورڈ، ان بورڈوں کے اراکین لازمی طور پر ہندو ہی ہونگے، گرودوارہ پربندھک کمیٹی کے ارکان بھی لازمی طور پر سکھ فرقے میں سے ہی ہوں گے۔

موجودہ قانون میں وقف انتظامیہ میں کم سے کم دو غیر مسلموں کی نمائندگی لازمی کردی گئی ہے اور مسلم نمائندگی کو مختلف پہلوؤں سے کم کیا گیا ہے، پہلے شرط تھی کہ وقف بورڈ کا چیف ایگزیکٹیو مسلمان ہوگا، اب اس شرط کو ہٹا دیا گیا ہے، پہلے وقف بورڈ کی سفارش پر چیف ایگزیکٹیو کا تقرر ہوتا تھا، اب حکومت خود اس کا تقرر کریگی، سینٹرل وقف کونسل میں پہلے ایک غیر مسلم رکن ہوسکتا تھا، اب ان غیر مسلم اراکین کی تعداد بحیثیت رکن وبحیثیت عہدہ ۱۳؍ ہوسکتی ہے، اور دو غیر مسلم اراکین تو لازماً شامل ہوں گے، پہلے ریاستی وقف بورڈ میں صرف ایک غیر مسلم اس کا چیئر پرسن ہوسکتا تھا، جبکہ باقی سارے اراکین مسلمان ہوتے تھے اور انتخاب کے ذریعہ آتے تھے، اب بورڈ کے ۷؍ اراکین غیر مسلم ہو سکتے ہیں اور دو اراکین کا غیر مسلم ہونا لازمی ہے، نیز اراکین کو وقف بورڈ منتخب نہیں کرے گا؛ بلکہ ریاستی حکومت نامزد کرے گی۔

وقف میں رکاوٹ

نئے اوقاف کو روکنے کی بھی کوشش کی گئی ہے؛ چنانچہ گزر چکا ہے کہ غیر مسلم وقف نہیں کرسکتا، اسی طرح اس قانون کے مطابق جو شخص گزشتہ کم سے کم ۵ ؍سال سے اسلام پر عمل کررہا ہو، صرف وہی وقف قائم کرسکتا ہے، یہ پوری طرح شریعت کے خلاف ہے۔ اسلام کی نظر میں جو شخص آج اسلام قبول کرے وہ بھی اسی طرح مسلمان ہے، جیسے ۵ ؍سال پہلے مسلمان ہونے والا شخص، یہ پانچ سال تک ایک مسلمان کو ان کے بنیادی مذہبی حق سے محروم کرنے کے مترادف ہے، اس طرح وقف کے عمل کو دشوار بنا دیا گیا ہے، اور پھر یہ ثابت کرنا کہ وقف کرنے والا اسلام کی تمام تعلیمات پر پانچ سال سے عمل پیرا ہے، بے حد مشکل ہے۔

اصولِ وقف کی مخالفت

اسلام کا تصور یہ ہے کہ مالک کو اپنی املاک پر جائز تصرف کرنے کا پورا حق حاصل ہے اور شریعت کی نظر میں اپنی اولاد اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک بھی ایک کارِ ثواب ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیوی کے منہ میں لقمہ رکھنا بھی ثواب کا باعث ہے؛ اسی لئے اسلام میں ''وقف علی الاولاد'' کا تصور ہے، جو رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے، یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین یا جائیداد اولاد پر وقف کرے، ایسی صورت میں وقف کرنے والے کی شرط کے مطابق اس کے خاندان کے لوگ اس زمین وجائیداد سے فائدہ تو اُٹھائینگے؛ لیکن اس کو بیچنے کے مجاز نہیں ہونگے۔

نئے قانون میں اس میں بھی تبدیلی لانے کی کوشش کی گئی ہے، پہلے تو بل میں یہ بات کہی گئی تھی کہ یہ وقف اسی وقت قابل قبول ہوگا جب کہ حقیقی وارثوں کے حقوق پامال نہ ہوں، یہ شرط بھی ناقابل قبول تھی؛ کیوں کہ ورثاء کو تو تقسیم وراثت کے ذریعہ اپنا حق ملتا ہی ہے اور یہ حق مالک کی موت کے بعد متعلق ہوتا ہے، اب بعد میں جو چودہ ترامیم آئی ہیں، ان میں کہا گیا ہے کہ وقف علی الاولاد اس طرح کیا جائیگا کہ اس سے کسی کا قانونی حق تلف نہ ہو، اس میں بہت زیادہ عموم ہے اور یہ شریعت کے اصولوں میں دخل دینا ہے۔

کمزور کرنے کی کوشش

قانونِ وقف کو کمزور کرنے کی ایک اور صورت یہ اختیار کی گئی ہے کہ پہلے قانون وقف کو ''اوور

رائیڈنگ ایکٹ''، تسلیم کیا گیا تھا، یعنی اگر دوسرے قوانین سے وقف قانون کا تعارض ہوتو وقف قانون لاگو ہوگا، اس بل میں اسے بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وقف ایکٹ ایک اسپیشل قانون ہے اور مسلّمہ قانونی اصول اور سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق اگر کوئی اسپیشل قانون کسی جنرل قانون سے ٹکراتا ہے تو اس صورت میں اسپیشل قانون کو فوقیت حاصل ہوتی ہے، یہ صرف وقف ایکٹ کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ یہ اصول دیگر اسپیشل ایکٹس پر بھی نافذ ہوتا ہے؛ مگر وقف کو اس سے محروم کر دیا گیا ہے۔

جھوٹ کا سہارا

افسوس کہ حکومت کے موجودہ ذمہ داروں نے جھوٹ بولنے کا ریکارڈ قائم کیا ہے، اگر جھوٹ بولنے اور جھوٹے وعدے کرنے پر کوئی ایوارڈ دیا جاتا تو شاید ملک کے وزیر اعظم اور وزیر داخلہ اس کے اولین مستحق قرار پاتے، وقف کے سلسلہ میں بھی بار بار کچھ جھوٹ دہرائے جاتے ہیں، جو برادران وطن کو متأثر کرتے ہیں، وہ اس طرح ہیں:

(ا) ''وقف بورڈ کو کسی بھی جائیداد پر دعویٰ کرنے کے مطلق اختیارات دیئے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ملک بھر میں وقف جائیدادیں تقریباً ۶ رلاکھ ایکڑ پر محیط ہیں اور ملک کے تیسرے سب سے بڑے زمین کے مالک ہیں۔''

ایک صاحب علم نے اس کی بڑی عمدہ وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں: ''سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق، بھارت میں تمام وقف جائیدادوں کا مجموعی رقبہ ۶ رلاکھ ایکڑ ہے، اس کا موازنہ اگر ہندو انڈومینٹ سے کیا جائے تو تمل ناڈو میں ۴ رلاکھ ۷۸ رہزار ایکڑ اور آندھرا پردیش میں ۴ رلاکھ ۶۸ رہزار ایکڑ زمین ہندو انڈومینٹ کے پاس ہے، صرف ان دونوں ریاستوں کو ملا کر ۹ رلاکھ ۴۰ رہزار ایکڑ زمین ہندو انڈومینٹ کے پاس ہے، جب کہ پورے بھارت میں وقف جائیدادوں کا مجموعی رقبہ چھ لاکھ ایکڑ ہے۔ زمین کو وقف قرار دینا کوئی خفیہ عمل نہیں ہے، اس کا پورا پروسیجر وقف ایکٹ میں مذکور ہے، وقف وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنی جائیداد کا مالک ہو، اُسے اپنی ملکیت کے دستاویزات وقف بورڈ میں جمع کروانے ہوتے ہیں، اس کے بعد عوام کو اعتراضات داخل کرنے کیلئے نوٹس جاری کیا جاتا ہے، حکومت ایک سروے کمشنر مقرر کرتی ہے، جو زمینوں کی جانچ کرتا ہے اور ان کے وقف ہونے کی تصدیق کرتا ہے، اس کے بعد یہ اعلان ریاستی گزٹ میں شائع کیا جاتا ہے، اور کوئی بھی شخص اس نوٹیفکیشن کو ایک سال کے اندر وقف ٹربیونل میں چیلنج کر سکتا ہے۔''

اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں سات لاکھ ستر ہزار گاؤں ہیں، اگر مان لیا جائے کہ ان میں سے نصف تعداد میں کم یا زیادہ مسلمان بھی بستے ہیں تو ایسے گاؤں کی تعداد تین لاکھ پچاسی ہزار ہوتی ہے۔ مسلمان جہاں بھی آباد ہوتے ہیں، وہاں کم از کم ایک قبرستان ہوتا ہے، عیدگاہ ہوتی ہے اور نماز کے لئے مسجد ہوتی ہے۔

اگر قبرستان اور عیدگاہ کے لئے ایک ایک ایکڑ اور مسجد کے لئے نصف ایکڑ یعنی اوسطاً ڈھائی ایکڑ فی آبادی زمین فرض کی جائے تو اس کی مقدار تو نو لاکھ باسٹھ ہزار پانچ سو ایکڑ زمین ہونی چاہئے، جیسا کہ ہندو بھائیوں کے یہاں مندر، مٹھ، شمشان گھاٹ وغیرہ ہوتے ہیں، اگر اس حساب سے دیکھیں تو چھ لاکھ ایکڑ زمین کوئی بڑا رقبہ نہیں ہے، اور پھر سرکار کی دی ہوئی نہیں ہے؛ بلکہ خود مسلمانوں کی ہے۔

(۲) یہ بھی تاثر دیا جارہا ہے کہ وقف کی جائیداد کا فیصلہ یک طرفہ طور پر وقف ٹربیونل کر دیتا ہے اور کسی بھی جائیداد کو اپنے قبضہ میں لے سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وقف ٹربیونل کی حیثیت سِول عدالت کی ہے، جس کا اعلیٰ افسر ڈسٹرکٹ جج ہوتا ہے، اگر وقف کی جائیداد پر کوئی شخص، ادارہ یا سرکار قابض ہو تو اس میں کیس چلتے ہیں، فریقین اپنا ثبوت پیش کرتے ہیں، اس کی روشنی میں ٹربیونل فیصلہ کرتا ہے۔ اگر فیصلہ پر کوئی ایک فریق مطمئن نہیں ہو تو وہ ہائی کورٹ جا سکتا ہے، اور ہائی کورٹ کے فیصلہ سے مطمئن نہ ہو تو سپریم کورٹ میں چیلنج کر سکتا ہے اسلئے یہ کہنا کہ وقف ٹربیونل کی مدد سے وقف بورڈ جائیداد کو وقف قرار دیتا ہے، جھوٹا اور بے بنیاد پروپیگنڈا ہے۔

(۳) معترضین بار بار یہ بات اٹھاتے ہیں کہ سابقہ قانونِ وقف ''وقف بورڈ'' کو کسی بھی زمین پر دعویٰ کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے، یہ بھی دھوکہ اور جھوٹ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وقف بورڈ کسی ثبوت اور شہادت کے بغیر کوئی دعویٰ کر سکتا ہے؟ اور کیا صرف وقف بورڈ کے کسی دعوے کی بنیاد پر کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی شخص پر یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ کس زمین پر اپنا حق پیش کر سکتا ہے اور کس پر نہیں؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ کوئی بھی شخص دعویٰ کرے تو قابل قبول ثبوت کے بغیر دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا، اور مقدمہ قبول کرنے کے بعد بھی جب تک کوئی بات ثبوت وشہادت سے ثابت نہ ہو جائے، تب تک اس دعوے پر نہ تو مہر لگتی ہے نہ ہی اس دعوے کا نفاذ ہوتا ہے؛ اس لئے یہ صرف پروپیگنڈہ ہے۔

……◆……

عصرِ حاضر اور بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

ابتدائی تعلیم کا آغاز عہدِ الست کے ساتھ ہو گیا تھا، جب روحانی و حقیقی وجود ملتے ہی سب سے پہلے معرفتِ رب عطا کی گئی تھی اور ایک وعدہ لینے کے بعد اس دنیا میں بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ تاہم اگر کہا جائے کہ ابتدائی تعلیم کا آغاز ماں کے پیٹ میں ہی ہو جاتا ہے تو بے جا نہیں ہو گا۔ سب سے پہلے فطرت ہی تعلیم یا ابتدائی تعلیم کا آغاز کرتی ہے اور ہر ہر عضو کو اس کا فرضِ منصبی ازبر کراتی ہے۔ آنکھوں کو دیکھنا سکھایا جاتا ہے، کانوں کو سننا سکھایا جاتا ہے، دل کو دھڑکنا اور معدے کو جہاں ہاضمہ کی ذمہ داری سونپی جاتی، وہاں جگر کا کام خون کی فراہمی ہوتا ہے اور گردوں کو خون صاف کرنے کا فن اس ابتدائی تعلیم میں ودیعت کیا جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ قدرت کے کام میں کوتاہی تلاش نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ اللہ نے سورہ ملک میں کہا:

اَلَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَّا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ (الملک)

ترجمہ: جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے، تو رحمٰن کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا، تو پھر نگاہ دوڑا، کیا تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ کر، تیری طرف نگاہ ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہو گی۔

جس نے پوری کائنات بغیر کسی خامی کے بنائی ہے اور اسے بطور مثال انسان کے سامنے پیش کیا، اس کا تخلیق کردہ اشرف المخلوقات تو بلاشبہ: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِيۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ (والتین :4)

بے شک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ اس فنِ تخلیق کو اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کی اولین وحی کے ساتھ تذکرہ کیا اور ماں کے پیٹ کے دورانیہ کا ہی تذکرہ کیا جہاں انسان فطرت کی طرف سے اپنی ابتدائی تعلیم کے مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے۔ قدرت تو اپنے کارِ تخلیق میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی، لیکن انسان اپنی بے اعتدالیوں اور حدود اللہ سے گزر جانے والے نافرمانی کے رویوں کے باعث خدائی تخلیق میں بگاڑ کے اثرات کا بری طرح سے سامنا

کرتا ہے اور پریشانیوں کا شکار ہو رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس طرح بنائی ہے کہ بہت کچھ انسان کے حواسِ خمسہ سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور اسے یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ کی تلقین کی گئی ہے۔غیب کی ان اخبار میں جو حواسِ خمسہ کی دست رس سے باہر رکھے گئے ہیں ایک روحانی دنیا بھی ہے۔روحانیت بھی بتاتی ہے کہ باپ سے وابستہ رزقِ حلال اور ماں کے اثرات براہِ راست پیٹ میں ابتدائی تعلیم پر ثبت ہو رہے ہوتے ہیں۔

اگر ماں ابتدائی تعلیم کے اس دورانیے میں پاک صاف رہے گی،عفت و پاک دامنی اس پر ختم ہوگی،صوم وصلوٰۃ کی پابند رہے گی، اذکار ودعوات وتسبیحات ووظائف اس کے معمولات کا حصہ ہوں گے،تلاوتِ قرآن مجید میں ناغہ نہیں کرے گی، اپنی خانگی ذمہ داریاں وخدمت گاریاں بھی مقدور بھر ادا کرتی رہے گی اور کسی تکلیف پیش آجانے کی صورت میں ہائے وائے اور چیخنے چلانے کی بجائے صبر کا دامن تھامے رکھے گی تو وہ نیک اولاد کو جنم دے گی اور اس کے رحم میں ابتدائی تعلیم کی خواندگی تقویٰ اور پاک بازی سے عبارت ہوگی اور بصورتِ دیگر یہ دنیا فساق وفجار اور رجل الدرہم والدینار اور پیٹ کی خواہش اور پیٹ سے نیچے کی خواہش کے پجاریوں سے بھری پڑی ہے،جن کے لیے قرآن نے کہا ہے:

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ

جنم لیتے ہی ابتدائی تعلیم کا اگلا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے۔یہ مرحلہ کم وبیش دس سالوں تک محیط ہوتا ہے،جس کے بعد پھر ثانوی تعلیم کے مراحل شروع ہوجاتے ہیں۔ابتدائی تعلیم کی چار بنیادیں: اوائلِ عمری،معصومیت، خالی الذہنی اور مشاہدہ ہیں اور ابتدائی تعلیم کے چھ عناصر: خودشناسی، خداشناسی، حفظ، بنیادی اخلاقیات اور مبادیاتِ لسان وحسابیات اور تقابلات ہیں۔ابتدائی تعلیم کی پہلی بنیاد اوائل عمری میں اولین جو کلام کانوں کے راستے دماغ کی گہرائیوں اور تاریکیوں تک پہنچتا ہے وہ پتھر پر لکیر کی طرح اَن مٹ اور عمر بھر کے لیے امر ہوجاتا ہے، چناں چہ دنیا میں قدم رکھتے ہی اس کے دائیں کان میں اذان دے کر اسے ابتدائی واولین تعلیم میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور درسِ توحید سے آشنائی فراہم کردی جاتی ہے اور بائیں کان میں اقامت کہہ کر اسے نماز جیسی بزرگ عبادت کا تعارف کرادیا جاتا ہے، جو عمر بھر کا ایک وظیفہ ہے، جو اسے تاحیات اور تادمِ مرگ جاری رکھنا ہے کہ روزِ محشر سب سے پہلے اسی کے بارے میں پرسش ہونی ہے۔

اذان اور اقامت کے ابتدائی اسباق اس کے تاریک دماغ میں روشنی کا باعث بنتے ہیں اور اس کا قلب ونظر وذہن وفکر نور سے بھر جاتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ

اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ:257)

ترجمہ: اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، یہی لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

لیکن ابتدائی تعلیم ابھی نامکمل ہے، کیوں کہ معلم کی تعیناتی ابھی باقی ہے، چناں چہ خاندان کے کسی نیک و متقی و دین دار بزرگ مرد یا خاتون کے ہاتھوں شہادت کی مقدس انگلی سے گھٹی دی جاتی ہے، تا کہ بزرگ کی نیک فطرت اس نومولود میں عود کر آئے۔ عہد نبوی میں بچوں کو گھٹی کے لیے محسنِ انسانیت ﷺ کے پاس لایا جاتا تھا اور روایات کے مطابق آپ ﷺ اپنی انگشت مبارک سے بچے کے تالو پر شہد لگا دیتے تھے، جسے وہ چاٹتا رہتا تھا۔ یوں ابتدائی تعلیم کا قیمتی ترین مرحلہ ایک غیر رسمی تعلیمی ادارے میں شروع ہو جاتا ہے۔

اس عمر میں بچے کا ذہن بالکل اور کلیتاً خالی سلیٹ اور صاف تختی کی مانند ہوتا ہے، بہ ظاہر بچہ سو رہا ہوتا ہے یا خاموش ہوتا ہے یا صرف دائیں بائیں دیکھتے ہوئے نظر آتا ہے یا خود سے کھیل رہا ہوتا ہے اور مصروفِ محض ہوتا ہے، لیکن فی الحقیقت یہ سارا ماحول، آوازیں، مناظر اور خورد و نوشت وغیرہ اس کے ذہن پر اپنے قوی نقوش چھوڑ رہے ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ آنے والے دنوں میں اس کی شخصیت اور یقینی طور پر اس کے کردار کا حصہ بن جائے گا۔

ابتدائی تعلیم کی دوسری بنیاد معصومیت کے ساتھ ایک خاص عمر میں بچے کو رسمی تعلیمی ادارے میں داخل کر دیا جاتا ہے، یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بچہ اپنی حوائج فطریہ سے واقف اور کسی حد تک خود کفیل بھی ہو چکا ہوتا ہے، عمومی طور پر یہ ساڑھے تین سال کی عمر ہوتی ہے، لیکن اس میں کمی بیشی کی گنجائش ممکن ہے۔

ابتدائی تعلیم میں بچے کی تربیت میں یہ قربانی شامل ہے کہ وہ چند گھنٹے کے لیے ماں کی گود چھوڑ کر اپنے ابتدائی تعلیم کے ادارے میں آ جاتا ہے۔ ابتدا میں معصوم بچے پر یہ تبدیلی بوجھل ہوتی ہے، کچھ بچے اس کا اظہار بھی کرتے ہیں اور ابتدائی تعلیم کے ادارے میں جاتے ہوئے روتے ہیں، ٹانگیں چلاتے ہیں، شور مچاتے ہیں اور ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی طرح گھر کو لوٹ جائیں، جو فرد انہیں چھوڑنے جاتا ہے اس سے چمٹے رہتے ہیں یا پھر تقاضا کرتے ہیں کہ یہ بھی ادارے میں رک جائے، لیکن کچھ بچے بظاہر اظہار نہیں کرتے، لیکن خاموش رہتے ہیں، سہمے ہوئے اور ڈرے ہوئے رہتے ہیں، اپنا

بستہ اور کتابیں کا پیاں سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں، کیوں کہ اس اجنبی ماحول میں یہی بستہ اس کا اپنا ہے اور باقی سب نا آشنا اور غیر ہیں اور اگر اسی ادارے میں ان کا کوئی بھائی، بہن، پڑوسی یا رشتہ دار پڑھتا ہو تو وہ چاہتے ہیں کہ اسی کے ساتھ جا کر بیٹھ جائیں۔ یہ بچے ادارے کے بند ہونے اور چھٹی کے وقت کا بہت بیتابی سے انتظار کرتے ہیں اور دوڑ لگا کر ایسے نکلتے ہیں جیسے انہیں باندھ کر رکھا گیا تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی اپنے ہم جولیوں سے دوستیاں ہو جاتی ہیں اور معلم اور ماحول سے مانوس ہو جاتے ہیں اور پھر شوق سے بھاگتے ہوئے مدرسے جاتے ہیں اور وہاں بہت اچھا وقت گزارتے ہیں، یہ ان کی معصومیت کا ایک اور پرتو ہے۔

ابتدائی تعلیم کی تیسری بنیاد خالی الذہنی ہے، اس میں بچے کو سب سے پہلے عقیدہ یاد کرایا جاتا ہے، یہاں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ صرف مثبت پہلو یاد کرائے جائیں، کیوں کہ منفی پہلوؤں کے باعث ابتدا سے ہی اس کا خالی ذہن مشکل میں پڑ سکتا ہے۔ عقیدہ کی تعلیم اسے سنائی جائے گی اور اسے دہراتا رہے گا اور اس طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔ ابتدائی تعلیم میں اس حد تک تربیت بھی شامل ہے کہ اسے عقیدہ پر یقین کرنے کے لیے کسی دلیل کی طرف دھکیلنے سے احتراز کیا جائے، اسے صرف یہ معلوم ہو کہ معلم یا معلمہ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اسے ازبر کرنے ہیں، کیوں کہ یہ سو فیصد سچے ہیں۔ دلائل اول تو اس کی خالی ذہنی سطح سے بالاتر ہوں گے اور پھر اسے ہر بات دلائل کے ساتھ ہی ماننے کی عادت پڑ جائے گی اور اساتذہ کے لیے ایسے بچے کو ترسیلِ تعلیم مشکل میں ڈالے رکھے گی، پس اسے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کا خوگر ہونا چاہیے، تاکہ فرماں برداری اس کے خالی ذہن میں سرایت کر جائے۔

بنیادی تعلیم کی چوتھی بنیاد مشاہدہ کے مطابق عقیدہ کے ساتھ اچھے اخلاق اسے عملاً سکھائے جائیں گے، تاکہ پہلے وہ اچھی طرح دیکھ لے اور پھر اسے اپنی شخصیت میں جذب کر لے، یہ ایک طرح سے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہے، مثلاً صفائی کی تعلیم دی جائے گی کہ کوڑا کرکٹ ایک خاص جگہ پر پھینکا جائے، اپنے ہاتھ، منہ، دانت، کپڑے، جوتے، کتب، کھلونے اور اٹھنے بیٹھنے کے مقامات مٹی سے پاک ہوں۔ کھانے کے آداب سکھائے جائیں کہ سب مل جل کر ایک برتن میں کھاتے ہیں، پہلے دوسروں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں، دائیں ہاتھ سے لقمہ توڑتے ہیں، اپنے سامنے سے کھایا جاتا ہے، آخر میں برتن صاف کرتے ہیں، خواہ انگلی سے ہی کرنا پڑے، برتن واپس اپنی جگہ پر رکھتے ہیں، کھانے سے پہلے، درمیان اور آخر میں پڑھی جانے والی دعائیں اور اکل وشرب کے دیگر مسنون طریقے ان کی تربیت کا حصہ ہوں۔

بنیادی تعلیم کے باقی عناصر خمسہ

خودشناسی، خداشناسی، حفظ، بنیادی اخلاقیات ومبادیاتِ لسان وحسابیات اورتقابلات کو باہم جدانہیں کیاجاسکتا، کیوں کہ تعلیم ایک ہمہ گیرعمل ہے، جس میں یہ کل عناصرمل کرایک نظام کومتحرک رکھتے ہیں، چناں چہ صبوحی دعامیں انہیں ایک بچے کی پیروی میں اپنے روز کے اسباق دہرانے ہوتے ہیں، یہاں ان بچوں کوادب واحترام اوراطاعت کیشی کا درس ملتاہے، ایک بچہ تلاوت کرتاہے، باقی سب سرنیچے کیے، ہاتھ باندھے صرف سنتے ہیں۔ ایک بچہ نعت سناتاہے، باقی سب ہمہ تن گوش ہوکر خاموش رہتے ہیں اورصرف سماعت کرتے ہیں۔ پھرکلامِ اقبال سے لب پے آتی ہے دعا پڑھائی جاتی ہے، تین بچے پڑھتے ہیں اوران کی متابعت میں سب بچے اسی مصرعے کودہراتے ہیں، اس کے بعد جملہ صبوحی اسباق بھی اسی طرح اطاعت کیشی کے درس کے ساتھ یادکرائے جاتے ہیں، جن میں قومی ترانہ بھی شامل ہوتاہے۔

سب بچوں کوباری باری آگے لاکرموقع فراہم کرناچاہیے کہ وہ دوسرے بچوں کویادکرائیں۔

اس چھوٹی سی عمرمیں اورابتدائی تعلیم میں زبانی یادکرانا بہت آسان ہوتاہے، کیوں کہ کوئی بھی سبق متعدد بار دہرانے سے ابتدائی تعلیم کی اس عمرمیں بچے کی خالی تختی پرنقش ہوجاتاہے۔موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بچے کونمازیادکرادینی چاہیے، اسی طرح قرآن مجیدکی آخری سورتیں اورکچھ زیادہ فضیلت کی بڑی سورتیں بھی بچے بآسانی یادکرلیتے ہیں۔بعض ابتدائی تعلیم کے ادارے پورا قرآن مجید بھی حفظ کرادیتے ہیں۔قرآن مجیدکے حفظ سے دماغ اپنی استعداد سے بڑھ کرکام کرنے لگتاہے اوراگلے تعلیمی مرحلوں میں حفاظ بچے باقی بچوں کی نسبت زیادہ سرعت سے اسباق کوہضم کرپاتے ہیں اورروحانی برکات اس کے سواہیں۔ابتدائی تعلیم کے ابتدائی مرحلے صرف زبانی یادکی حدتک یاسمعی وبصری تعلیم کی حدتک ہی ہونے چاہییں، بعدکے مراحل میں انہیں ابتدائی خواندگی کی طرف لے جایاجائے گا، جس میں حروف کی پہچان، جوڑتوڑاورمعمولی حساب بھی شامل ہے۔

مقابلے کی فضا ابتدائی تعلیم میں بہت اچھے نتائج سامنے لاتی ہے۔نصابی وہم نصابی سرگرمیوں میں جب ہم جولیوں سے مقابلہ درپیش ہوتو جیتنے کا جذبہ بچے کواپنی پوری صلاحیتیں بروئے کارلانے میں مددگار ومہمیزثابت ہوتاہے۔یہاں ایک امرقابلِ غورہے کہ اس چھوٹی اورمعصوم عمرمیں شکست کے بھی بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جوشخصیت میں منفی رجحانات پیداکرنے میں دیرنہیں لگاتے، چناں چہ مدرسے کی

انتظامیہ کو بہت دقیق نظر سے دیکھنا ہوگا کہ سو فیصد بچے کام یابی کا تمغہ سینے پر سجائے گھروں کو سدھاریں۔

اس کا بہت آسان طریقہ ہے، پہلے نصابی سرگرمیوں میں کام یابیاں فراہم کی جائیں۔

بصورت دیگر انتظامیہ اپنی طرف سے اطاعت وفرماں برداری، باقاعدگی، حسنِ لباس، ادب و احترام، پابندیِ وقت، صفائی یا کسی بھی اور اخلاقی فضیلت کو معیار بنا کر اسے اعتماد فراہم کردے اور یوں سب نونہال مدرسہ سے نہال ہوکر گھروں کو لوٹیں اور اپنے والدین کو اپنی کام یابی کی داستانیں سناتے ہوئے اگلے دن ذوق وشوق سے بھاگتے ہوئے اور چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرہ جماعت میں داخل ہوں۔

بنیادی تعلیم کی کام یابی کا ایک ہی پیمانہ ہے کہ بچہ اگلے مرحلہ تعلیم میں اپنے شوق سے داخل ہو اور وہ اپنی نئی کتب کا منتظر ہو، اپنے نئے اساتذہ سے مسرتِ ملاقات اس کے رویے سے ہویدا ہو اور اس کے خواب نئی عمارت اور بڑے بڑے کھیل کے میدانوں کی تعبیر سے آراستہ ہوں، اس کے لیے کسی طرح کے تحریری، تقریری، زبانی یا نمائشی امتحانات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، بہت چھوٹی عمر میں اور خاص طور پر بنیادی تعلیم کے دورانیے میں امتحانات کا انعقاد بچوں میں تعلیم کے لیے نفرت، دوری، بے رغبتی اور عدمِ اشتیاق کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ بنیادی تعلیم کی یہ عمر ماحول سے حاصل کیے گئے اثرات کے سو فیصد انطباق کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

اگر کہیں مقاصدِ تعلیم کے حصول میں کلی یا جزوی ناکامی مشاہدے میں آتی ہے تو انتظامیہ، اساتذہ، نصاب اور ماحول کو تبدیل کرنے یا ان میں بہتری لانے کی ضرورت ہے، بچے اس سے کلیتاً مبرا ہیں۔ سو فیصد بچوں کو جو دورانیہ تعلیم مکمل کر چکے ہوں انہیں بلاتخصیص وتمیز اگلے مرحلوں میں بڑھا دینا ہی تعلیمی کارکردگی میں بہتری کی ضمانت ہوگی، جو ان میں اعتماد اور شوق اور مزید آگے بڑھنے کا جذبہ بھی پیدا کرے گی۔ تاہم اگر کچھ بچے دورانیہ تعلیم کے درمیان میں داخل ہوئے ہوں اور وہ باقی ہم جماعت ساتھیوں سے اپنے اسباق میں ابھی پیچھے ہوں تو اساتذہ کرام سے مشاورت کے نتیجے میں انہیں حالیہ درجے میں ہی روک لینا قرینِ قیاس ہوگا، تاکہ ان کی بنیاد میں پختگی لائی جاسکے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس ٹھہراو کو اپنی ناکامی پر محمول نہ کریں اور بخوشی اس فیصلے کو قبول کرلیں۔

تعلیم پیشہ نہیں ہے، بلکہ شیوہ اور انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ہے جو اپنی قوموں سے کہا کرتے تھے کہ: وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء:145)

اور میں تم سے اس پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

لیکن دورِ غلامی سے سیکولرازم کے باعث نہ صرف یہ کہ ایک پیشہ بن گیا ہے، بلکہ بنیادی تعلیم کی حد تک یہ ایک مکروہ دھندا بن گیا ہے۔ سیکولرازم کی پروردہ کاروباری ذہنیت سرمایہ دارانہ رویوں نے بنیادی تعلیم کی اقدار کو بری طرح پامال کر دیا ہے، یہاں تک کہ اب بچے بچے نہیں رہے، بلکہ گاہک بن گئے ہیں اور ابتدائی تعلیم کے ادارے کاروباری مراکز اور دھن دولت جمع کرنے والے کارخانے بن گئے ہیں۔

صرف تعلیم ہی نہیں، بلکہ تفریح کے دوران کے کھانے، صاف پانی، کتب، تحریری مواد، ملبوس، ذرائع نقل وحمل اور یہاں تک کہ بال کاٹنے کا عمل بھی منافع بخش بنا لیے گئے ہیں اور ان ذرائع سے پیدا گیری کی جاتی ہے۔ مقابلے کے اس رجحان نے جہاں معیارِ تعلیم کا بیڑا غرق کر دیا ہے، وہاں معیارِ اخلاق بھی گہنا گیا ہے اور مقامی معاشرتی روایات اور تہذیب وتمدن بھی دم توڑ رہے ہیں۔

ان سب پر مستزاد بدیسی ذریعہ تعلیم ہے، جس نے زوال کی رہی کسر بھی پوری کر دی ہے اور پورا نظام تعلیم اس وقت صرف ایک ہلکے سے دھکے کا منتظر ہے جو اسے دھڑام سے گرا دے۔ والدین کو خوش کرنے کے لیے نجی تعلیمی ادارے سب بچوں کو ۹۹٪ شرح کامیابی سے نواز دیتے ہیں اور رقم بٹورنے کے لیے سارا سال امتحانات پر امتحانات منعقد ہوتے ہیں اور نتائج کی تقریبات کے نام پر بے ہودگی اور بدتمیزی کی بڑھ چڑھ کر نمائش کی جاتی ہے اور یوں جھوٹ، دھوکے اور فریب کو دکھاوے اور نمائش کے ذریعے اپنی کامیابی بنا کر پیش کیا جاتا ہے، تاکہ کاروبار کے حجم کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جا سکے۔

لیکن مایوسی اس لیے نہیں ہے کہ معاشرے کا صالح عنصر بھی بیدار مغز قیادت کے ساتھ میدان میں موجود ہے اور بہت کم سہی، لیکن سرعت سے ترقی پذیر مثالی تعلیمی ادارے بھی قائم ہوتے چلے جا رہے ہیں اور بہت جلد سیکولرازم کا بوریا بستر گول ہونے والا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

……✦……

صدر ٹرمپ اور ابراہیمی معاہدہ

مولانا زاہد الراشدی

ریاستہائے متحدہ امریکا کے صدر جناب ڈونلڈ ٹرمپ ان دنوں سعودی عرب کے دورے پر ہیں اور سعودی حکومت کے ساتھ تجارت و معیشت کے حوالہ سے معاملات طے کر رہے ہیں۔ اس موقع پر ان کی طرف سے دو باتیں سوشل میڈیا میں گردش کر رہی ہیں جو بہرحال توجہ طلب ہیں۔ ایک یہ کہ سعودی عرب کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کا اعلان ہوا تو وہ اسے اپنی عزت افزائی سمجھیں گے اور دوسرا یہ کہ انہیں امید ہے کہ سعودی عرب "ابراہیمی معاہدہ" میں شامل ہو جائے گا۔

اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالہ سے ہم اپنا موقف متعدد بار واضح کر چکے ہیں اور "ابراہیمی معاہدہ" کی بات بظاہر عرب اسرائیل سفارتی تعلقات کے حوالے سے کی جاتی ہے لیکن اس کا جو در پردہ پہلو ہے اس پر ہم کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک عرصہ سے عالمی سطح پر یہ بات کہی جا رہی ہے کہ مذاہب کو آپس میں ہم آہنگی بلکہ اتحادِ مذاہب کے عنوان سے باہمی ایڈجسٹمنٹ کی کوئی صورت نکالنی چاہیے جس کی وجہ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ چونکہ مذہب کو معاشرتی کردار اور سیاسی و تہذیبی ماحول سے الگ کر کے صرف عقائد اور اخلاقیات کے دائرے میں محدود رکھنے کا فلسفہ عالمی قوتوں نے آپس میں طے کر لیا ہے اور اس کو قبول کرانے میں رکاوٹ صرف مسلم معاشرہ میں پیش آ رہی ہیں کہ حکمران طبقوں سے قطع نظر دینی و عوامی ماحول میں مسلم امت اور عوام مذہب کے معاشرتی و تہذیبی کردار سے دستبردار ہونے کے لیے کسی صورت میں آمادہ نہیں ہیں اس لیے مختلف مذاہب کے درمیان مکالمہ، ہم آہنگی اور یکجہتی کا ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس سے مسلم دنیا کو بھی مذہب کے بارے میں آج کے عالمی فلسفہ کے دائرے میں محصور کیا جا سکے۔

اس کا ایک دائرہ "ابراہیمی مذاہب" کو یکجا کرنے اور ایک میز پر بٹھانے کی یہ کوشش بھی ہے کہ چونکہ مسیحی، یہودی، مسلمانوں اور بعض دانشوروں کے نزدیک ہندو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت

کا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے انہیں ایک چھت کے نیچے جمع کیا جا سکتا ہے، جس کے لیے بین الاقوامی ماحول میں محنت کا ایک میدان گرم ہے اور "ابراہیمی معاہدہ" بھی اسی کا ایک حصہ دکھائی دیتا ہے، اور اس کے لیے ابوظہبی میں "خاندان ابراہیم ہاؤس" تعمیر بھی کیا جا چکا ہے۔ اس پر علمی حلقوں کے متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اور ہم بھی اس سلسلہ میں کچھ طالب علمانہ گزارشات پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مگر سرِ دست ایک دو پرانی یادوں کو گفتگو کے آغاز کے طور پر قارئین کی نذر کرنا چاہتے ہیں۔ نصف صدی قبل کی بات ہے لیبیا کے دارالحکومت طرابلس میں جناب نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے موضوع پر ایک عالمی کانفرنس میں لیبیا کے حکمران جناب معمر قذافی نے اپنے صدارتی خطاب میں یہ بات کہہ دی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات گرامی چونکہ بیشتر آسمانی مذاہب کا مرکز ومحور ہے اور انہوں نے ہی اپنے ماننے والوں کو "مسلم" ہونے کا خطاب دیا تھا "ملة ابيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين" (الحج 78)

اس لیے مسلمان کہلانے کے لیے یہ نسبت ہی کافی ہے اور انہیں اپنا مرکز ومحور ماننے والوں کے لیے حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا اور ان کے عنوان سے الگ تشخص قائم کرنا ضروری نہیں ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ اس وقت مصر کے نائب صدر جناب حسین الشافعی بھی کانفرنس میں شریک تھے اور انہوں نے صدر قذافی کی اس بات کو موقع پر ہی ٹوک دیا تھا کہ ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور "مسلمان" کہلانے کے لیے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا اور انہیں آخری نبی کے طور پر اپنا پیشوا تسلیم کرنا بھی لازمی ہے، اس کے بغیر کوئی بھی شخص مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں ہے اور نہ کسی کو مسلمان تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہم ایک مشاہدہ بھی شامل کرنا چاہتے ہیں جو اسی تناظر یں شکاگو کے ایک سفر میں ہمارے سامنے آیا تھا۔ امریکا کے ایک سفر میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کے ساتھ رفاقت تھی اور ہم دونوں شکاگو میں چنیوٹ کے ایک تاجر دوست ریاض وڑائچ صاحب مرحوم کے مہمان تھے۔ شکاگو میں مرزا بہاء اللہ شیرازی کے پیروکار "بہائیوں" کا بہت بڑا مرکز ہے جسے دیکھنے اور وہاں کی شب و روز کی سرگرمیاں معلوم کرنے کا مجھے تجسس تھا۔ مولانا چنیوٹی سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ چھوڑو وہاں کون ہمیں اندر جانے دے گا (کون وڑن دیسی؟)۔ میں نے اصرار کیا تو آمادہ ہو گئے اور ہم اپنے میزبان ریاض

وڑائچ صاحب کے ہمراہ وہاں جا پہنچے۔ منتظمین نے ہمیں پہچان لیا اور بڑے احترام کے ساتھ اپنے مرکز کا وزٹ کرایا۔ بہائیوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں موجود سب مذاہب برحق ہیں اور وہ سب کے جامع ہیں۔ اس کے اظہار کے لیے انہوں نے شکاگو کے اس مرکز کے مین ہال میں، جو بہت بڑا ہال ہے، ایک چھت کے نیچے چھ مذاہب کی عبادت گاہوں کا الگ الگ ماحول بنا رکھا ہے۔ ایک کونے میں مسجد ہے، دوسرے میں چرچ ہے، تیسرے میں مندر ہے اور چوتھے کونے میں یہودیوں کا سینی گاگ ہے جبکہ ہال کے وسط میں گوردوارہ اور بدھوں کی عبادت گاہ ہے اور ہر عبادت گاہ کو اس کا پورا ماحول فراہم کیا گیا ہے۔ مسجد اس کونے میں ہے جدھر مکہ مکرمہ کا رخ ہے، اس میں صفیں بچھی ہوئی ہیں، محراب ہے اور اس میں منبر ہے۔ مسجد کے ایک کونے کی الماری میں قرآن کریم کے چند نسخے رکھے ہوئے ہیں۔ مرکز کے منتظمین کا کہنا تھا کہ ہر مذہب والے کو اپنی عبادت گاہ میں آنے اور اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت ہے اور بہت سے لوگ عبادت کے لیے آتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ان میں سے ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ ایک چھت کے نیچے مسجد، مندر اور چرچ کو دیکھ کر آپ کو کیسا لگا؟ میں نے کہا کہ مسجد اور چرچ تو آپ نے ایک چھت کے نیچے اور ایک چار دیواری کے اندر بنا دیے ہیں لیکن ایک خدا اور تین خداؤں کو کیسے جمع کر لیا ہے؟ مسکرا کر بولے کہ چھوڑیں یہ فلسفہ کی باتیں ہیں۔ میں نے کہا کہ فلسفہ کی نہیں بلکہ یہ عقیدہ اور ایمان کی بات ہے۔

ہمارے خیال میں یہی تصور "ابراہیمی معاہدہ" کے پیچھے بھی کارفرما ہے جو اہلِ علم اور دینی قیادتوں کی فوری توجہ کا طالب ہے۔ یہ گزارش ہم نے تمہید کے طور پر کی ہے جس کی تفصیلات پر ان شاء اللہ تعالیٰ چند کالموں میں کچھ معروضات پیش کریں گے۔

……✦……

جامعہ کی سرگرمیاں

ادارہ

اعلان امتحان ماہانہ (اوّل)

طلبہ کی استعداد کو پختہ وتوانا بنانے کے لیے جامعہ میں اعدادیہ اور عربی اول تا عربی سوم کا ماہانہ امتحان لیا جاتا ہے۔ اسی سلسلے کی پہلی کڑی کے طور پر رواں تعلیمی سال کے پہلے ماہانہ امتحان کا اعلان دفتر تعلیمات سے آویزاں ہوا، جس کا متن یہ ہے:

طلبۂ عزیز! اعدادیہ تا سال سوم درج ذیل کتب کا امتحان ماہانہ اول 31 مئی 2025 بروز سنیچر متعلقہ درس گاہوں میں منعقد ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ:

اعدادیہ: آمدنامہ، آسان نحو، مفتاح العربیہ حصہ اول، اردو کی چوتھی۔

سال اول: میزان الصرف، نحو میر، مالا بدمنہ، القراءۃ الواضحہ اول، تاریخ اسلام اول۔

سال دوم: ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، نور الایضاح، آسان منطق، القراۃ الواضحہ دوم۔

سال سوم: ترجمہ کلام پاک، قدوری، شرح وقایہ، تسہیل الاصول، القراءۃ الواضحہ سوم۔

تعطیل عید الاضحیٰ کا اعلان

رواں تعلیمی سال کی پہلی تعطیل کلاں کا اعلان جامعہ کی جانب سے کر دیا گیا۔ اس کا متن درج ذیل ہے:

(1) تعطیل عید الاضحیٰ دو جون 2025 عیسوی پیر سے 15 جون 2025 عیسوی اتوار تک ہوگی، لہٰذا طلبۂ عزیز مذکورہ تاریخوں کے مطابق ہی اپنے اسفار کی ترتیب بنائیں۔ تعطیل سے پہلے گھر جانے یا تاخیر سے مدرسہ واپس آنے والے طلبہ کے خلاف سخت کاروائی کی جائے گی اور ان کا نام کاٹ دیا جائے گا۔

(2) جامعہ امام محمد انور شاہ داخل شدہ تمام طلبہ کو تعطیل عید الاضحیٰ، تعطیل ششماہی اور تعطیل سالانہ کے موقع پر اپنے وطن جانے کی اجازت دیتا ہے اور آئندہ دو تعطیل کے درمیان گھر جانے کی رخصت کو منظور بھی

نہیں کرے گا۔ مذکورہ تعطیلات میں جامعہ کا مطبخ بند رہے گا۔ ایام اضحیہ میں حسب سابق تین دن مطبخ سے طعام طلبہ میں تقسیم ہوگا۔

انجمن کواکب انور کی افتتاحی تقریب

طلبۂ جامعہ کا فعال ومؤثر پلیٹ فارم انجمن کواکب انور کا افتتاحی اجلاس جمعرات کو منعقد ہوا، جس کی صدارت مفتی نثار خالد دیناجپوری صاحب نے کی اور نگرانی کے فرائض مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب نے ادا کیے۔ اجلاس کا آغاز عزیزم عبداللہ سلمہ نے تلاوت قرآن پاک سے کیا۔ نعت رسول عزیزم عبیداللہ سلمہ نے پیش کی۔ اس موقع پر جامعہ کا ترانہ بھی خوب صورت لہجے میں سنایا گیا۔ صدر جلسہ مفتی نثار خالد صاحب نے کہا کہ انجمن بھی ایک طرح کی درس گاہ ہوتی ہے اور اس کے اثرات طلبہ کی زندگی پر بہت پڑتے ہیں۔ نصابی کتابیں طلبہ میں علم کا مزاج و مذاق پیدا کرتی ہیں اور انجمن اس مزاج و مذاق کو صیقل کرتی ہے، لہذا جس طرح درس گاہ میں جانا اپنے ذمے فرض سمجھتے ہیں اسی طرح انجمن سے وابستگی کو خود پر لازم کر لیں۔ نگراں انجمن مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب نے کہا کہ آپ جس انجمن سے وابستہ ہیں، اس نے ماضی میں اچھے مقررین تیار کیے، جن کی خدمات سے ملک مستفید ہو رہا ہے۔ آپ اس موقع کو غنیمت جانیں اور اپنی خطابی صلاحیت کو پروان چڑھائیں۔ مفتی صاحب کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

رواق انظر کے مزید تین کمرے تکمیل کے قریب

جامعہ کی زیر تعمیر عظیم الشان بلڈنگ الموسوم بہ رواق انظر کی تعمیر کا کام الحمدللہ اچھی رفتار کے ساتھ جاری ہے۔ اس بلڈنگ کی تحتانی منزل کا کام بڑی حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور طلبہ وہاں رہائش رکھتے ہیں۔ ابھی چند کمروں کی تعمیر باقی ہے، جن میں سے تین کمرے تکمیل کے قریب ہیں۔ ناظم دارالاقامہ مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب کی رپورٹ کے مطابق عیدالاضحیٰ تک یہ کمرے تیار ہو جائیں گے اور تعطیل عیدالاضحیٰ کے بعد طلبہ کی رہائش شروع ہو جائے گی۔

باب دارالاقامہ کی تعمیر

جامعہ کی اولین عمارت کے نئے دروازے کی تعمیر جو چند دن قبل شروع کی گئی تھی، بفضلہٖ تعالیٰ پایۂ تکمیل کو پہونچ چکی ہے۔ اس عمارت کا دروازہ سڑک کی طرف کھلتا تھا، جہاں سے طلبہ کے لیے انور ہال تک

پہونچنے میں کافی دقتوں کا سامنا تھا۔ رئیس الجامعہ دام ظلہ نے طلبہ کی اس مشکل کو دور کرتے ہوئے سڑک والے دروازے کو باقی رکھ کر ایک نئے دروازے کی تعمیر کرائی، جو احاطۂ جامعہ میں کھلتا ہے۔ اس کی وجہ سے طلبہ کے لیے مسجد اور درس گاہوں تک آنے جانے میں کافی آسانی ہوگئی ہے۔ یہ وہی عمارت ہے جہاں کبھی تمام درس گاہیں اور جملہ دفاتر ہوا کرتے تھے۔ اب یہ عمارت صرف اور صرف دارالاقامہ کے لیے مخصوص کردی گئی ہے۔

مطبخ کی توسیع اور باب مطبخ کی تعمیر

طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر جامعہ کا مطبخ ناکافی ہوگیا تھا، اس لیے رئیس الجامعہ مدظلہ نے مطبخ کی توسیع کا فیصلہ فرمایا۔ الحمدللہ جامعہ کا کچن تعمیر کے بعد کافی کشادہ ہو چکا ہے، جہاں اس کا ایک باقاعدہ دفتر بھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مطبخ کے لیے ایک بڑے دروازے کی تعمیر بھی عمل میں آئی، الحمدللہ وہ بھی پایۂ تکمیل کو پہونچ چکا ہے۔

نئی رہائشی عمارت برائے طلبہ ’’رواقِ انظر‘‘ میں بہت اعلیٰ پیمانے پر 18 عدد غسل خانے و بیت الخلاء تعمیر کئے گئے ہیں، متصلاً ہی ایک خوبصورت وضوخانہ اور کپڑے دھونے کے لئے ایک مضبوط پلیٹ فارم بھی تعمیر کر دیا گیا ہے۔

جامعہ میں قربانی کا نظم

عید قرباں کے مبارک موقع پر ہر سال کی طرح رواں سال بھی قربانی کا نظم کیا گیا ہے۔ حسب سابق قربانی کے گوشت سے طلبہ کی ضیافت کی جائے گی اور شریعت کے مطابق اسے تقسیم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جملہ مسلمانوں کی قربانیاں قبول فرمائے۔

جامعہ کے سابق استاذ مولانا حمید اللہ صاحب قاسمی کی وفات

مؤرخہ 21 مئی 2025ء بروز بدھ رات تقریباً ساڑھے دس بجے جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کے سابق استاذ، محترم جناب مولانا حمید اللہ قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کا اپنے آبائی وطن ضلع کرنول (آندھرا پردیش) میں انتقال ہوگیا۔ ان کی وفات پر جامعہ کی مسجد انور شاہ میں تعزیتی اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں

اجتماعی طور پر دعائے مغفرت وایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا اور طلبہ کے سامنے مولانا مرحوم کے اوصاف حمیدہ بیان کیے گئے۔

جامعہ کے استاذ مولانا بدرالاسلام صاحب قاسمی ان کے حالات پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مولانا حمید اللہ صاحب کی ولادت لکشمی پورم، کرنول، ضلع آندھرا پردیش میں 1982ء میں ہوئی، کرنول اور حیدرآباد کے مرکزی اداروں سے کسب فیض کر کے دیوبند پہنچے، دارالعلوم وقف دیوبند سے 2003ء میں فضیلت کی تکمیل کی۔ اس دوران اپنی یکسوئی، سنجیدگی، وسعت مطالعہ اور صالحیت وصلاحیت کی بنا پر فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کے خاص معتمد بن گئے، چنانچہ فضیلت کے اگلے سال دارالعلوم وقف دیوبند میں بطور معین مدرس خدمت انجام دی اور مقبول ومحنتی مدرس کے طور پر شہرت پائی۔ آئندہ سال یعنی 2005 اور 2006، دوسال تک جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس دوران عربی اول سے عربی ششم تک کی اہم کتابیں ان کے زیر درس رہیں۔ وہ ایک محنتی، مقبول اور مخلص ومشفق استاذ ثابت ہوئے۔

علاقے کی دینی ضرورت اور کتاب وسنت کی تعلیمات کی اشاعت کی غرض سے آپ نے 2006 میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں ''دارالعلوم انوار انوری'' کی بنیاد ڈالی، بے سروسامانی کے عالم میں قائم کیا گیا یہ ادارہ اللہ کے فضل وکرم اور بانی ادارہ کے اخلاص کے سبب آج قرب وجوار کے علاقے میں دینی بیداری اور اسلامی شعور کا ایک اہم ذریعہ ہے، حضرت فخر المحدثین کی وفات کے بعد سے یہ ادارہ معتمد جامعہ، حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ مولانا مرحوم پچھلے چند سالوں سے کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا تھے، اس دوران بھی انھوں نے نہایت عزم وحوصلہ کے ساتھ اپنی انتظامی واصلاحی خدمات جاری رکھیں۔ بالآخر 21 مئی کی شب ان کا وصال ہوگیا۔ اللہ تعالی ان کی کامل مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین پس ماندگان میں والدین اہلیہ محترمہ، چھ بیٹیاں اور ایک فرزند ہے۔''

……◆……

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

June 2025



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دار الاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دار الاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/C No.: 50100420638245
IFSC : HDFC0001974
BRANCH: HDFC DEOBAND